



۱۹۵۵ جمادی الآخر ۱۳۸۶ھ

مطابقتے

۱۰/۲۵ ستمبر ۱۹۶۶ء

پندرہ روزہ  
لکھنؤ

چندہ

سکالانہ ..... ۶ روپے  
ششماہی ..... ۴ روپے  
ممالک غیرے ..... ۱۳ شلنگ  
اسے شمارے کی قیمت ۶۰ پیسے

جلد نمبر

شعبہ تعمیر و ترقی دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

شمارہ نمبر ۲۲۵۲۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

# عکس بنی قومیت

## حقائق و واقعات کی روشنی میں

### اختلاف کی اصل بنیادیں

”عربی قومیت“  
سے ہمارے اختلاف

کی بنیاد یہ ہے کہ وہ اسلام کی حریت اور نبوت محمدی  
کا رقیب بن چکا ہے، وہ محض حب الوطنی، جذبہ  
آزادی اور استعماری قوتوں نے نفرت کا مظہر نہیں جیسا  
کہ عام طور پر سادہ لوح اور سٹیلٹ مسلمان سمجھتے ہیں،  
بلکہ اس نے ان جذبات کے مہارے پر اور ان سے  
فائدہ اٹھاتے ہوئے ایک نئے اور متوازی کا مذہب  
کی داغ بیل ڈالی ہے جو اب تک نبوت محمدی (علی  
صاحبہا الصلاۃ والسلام) کے حساب پر سمجھنا بیوقوف  
رہا، اسی طرح جمال عبدالناصر سے ہمارے اختلاف کی  
اساس یہ ہے کہ وہ اس وقت اس نئے مذہب کے سب  
سے بڑے علمبردار اور سب سے بڑے ذمہ دار ہیں اور  
ان کی شخصیت اس کے ساتھ اس طرح گھل مل گئی ہے کہ  
ایک کو دوسرے سے علیحدہ کر کے میجر اسے قائم نہیں  
کیا جاسکتی ہے، عرب اسرائیل جنگ کے موقع پر جب  
مسرحی مجلس الامم نے جمال عبدالناصر کو کلی اختیارات

از۔ سید محمد الحسنی

سپردے تو اس وقت الزامات صدر مجلس نے  
تقریر کرتے ہوئے ان کے متعلق یہ الفاظ کہے تھے۔

انصہم تاریخہ الہا کی تاریخ عرب قوم کی  
فی قلب التاریخ جہد تاریخ کے قلب میں

الحداثت للامة ڈبل گئی ہے اور وہ دونوں  
العربیۃ حتی بجا طور پر ایک چیز بن گئے

اصبحا عجمہ شیعہ ہیں وہ ہے طاقتور انقلابی

واحداً هو الامة عرب عزم داراہ جو اپنی

الثوریۃ العربیۃ آرزوں اور امنگوں کے

العربیۃ والقادیۃ مطابق زندگی کو اور سب کو

علی صیغۃ الحیاۃ ڈھالنے پر قادر ہے۔

من جدید و حق باوجود تمام مشترک اور مجموعی

اما بیہزار عجم جارحانہ طاقتوں کے اور

کل قروی العوان باوجود جارحیت کے ہر قسم  
مجتمعہ و عجم کے مجموعی امکانات و  
کل احتمالات

العہد وان مجتمعہ  
الشباب العربی القادر  
۵ جون ۱۹۶۶ء

نیامذہب

یہ نیا مذہب فرعونی تہذیب  
پر فخر، قومیت کے جاہل اور طوطانہ  
نصو ر مارکسی اشتراکیت اور جاسوسی و دہشت پسندی  
کے ستونوں پر قائم ہے اور یہی اس کے حدود دار البر یا  
عناصر راجد ہیں۔ اس کے نبی جمال عبدالناصر، اس کا  
صحیفہ آسمانی، ”میشاق وطنی“ (مصر کا مشہور قومی  
منشور) اور اس کے عماری، ”انقلابی قیادت کے  
ممبر، اخباروں و رسالوں کے ایڈیٹر اور صحت العرب کے  
انا و نسر ہیں، اس نے عربی قومیت کو سمجھنے کے لئے۔  
جمال عبدالناصر اور ان کے افکار و خیالات اور جذبات  
ورجحانات کو سمجھنا ناگزیر ہے۔

شاکہ کلید

جمال عبدالناصر کی شخصیت ان  
کے افکار و خیالات، بیانات  
داعلامات اور ان کے طریقہ کار کے مطالعے سے  
ہم کو یہ حاصل ہوتا ہے کہ وہ نہ کمونسٹ ہیں نہ سوشلسٹ  
ذرحوت پسند ہیں نہ ترقی پسند، وہ سب سے پہلے قیادت پسند  
ہیں جبکہ قرآن مجید میں فرعون کی زبان سے ”اے  
دیکھ لاجئی“ (میں تمہارا سب سے بڑا رب ہوں)  
کہا گیا ہے۔

”انارکھ الا علی وہ شاہ کلید ہے صبر کو

لگاتے ہی ان کی پراسرار شخصیت کے پردے ایک ایک کر کے اٹھنے لگے ہیں اور ان کی شخصیت ان کے محبوب فرزند کے ساتھ ہم آہنگ ہوتی چلی جاتی ہے، ایک مسلمان کے لئے جب فرزند کا کوئی موقع آتا ہے تو وہ اپنے اس عہد زریں پر فخر کرتا ہے جس کا آغاز غار حراء سے ہوا تھا۔ وہ قرآن اولیٰ کی اس اسلامی تاریخ پر فخر کرتا ہے جس سے دنیا کی نئی عمر شروع ہوئی۔ وہ نہ صرف محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی بلکہ ان کے غلاموں کی غلامی کو اپنی آخری سر فرزدگی سمجھتا ہے، لیکن جمال عبدالناصر کو سب سے زیادہ دلچسپی فرعون تہذیب اور فرعونیت سے ہے اور وہ اپنی تاریخ کی بڑی تیرہ سو برس پہلے نہیں سات ہزار برس پہلے تلاش کرتے ہیں۔

۱۹ مئی، ۶۰ کو جب مصری فوج میں سینا کی اگلی صفوں میں مورچہ بندی تھی اور یخ عقیقہ کی ناک بندی کی جا چکی تھی اور فیصلہ کن لڑائی ہو چکی تھی اس وقت بھی ان کو اگر کوئی چیز یاد آئی تو وہ بھی، ہزار سالہ تہذیب تہجریس (فرعون مومنی) قوت فتح آمون تقریبی اور فرعون کی تہذیب، وہ تہذیب جس کے ساتھ لخت و ذلت اور تباہی و ذلکاوی قرآن مجید کے ذریعہ ہمیشہ ہمیش کے لئے وابستہ کر دی گئی ہے، عرب مزور کانفرنس کے ایک دفعہ (وجود حق سے ان کے پاس آیا تھا) باتیں کرتے ہوئے انہوں نے ہی نازک موقع پر یہ کہا: "یانا کافی سمجھا، انہوں نے اپنی اہمیت اپنی قوت اور اپنے شاندار ماضی کا ذکر کرتے ہوئے کہا:

**فرعونیت کا ذوق**

احنادول لحاقیۃ ہمارے ملک بہت قیمت و دول فی مکان رکھتے ہیں، یہ ملک دنیا صہم فی العالم، کے اہم حصوں میں داخل و دول عندھا ہیں، ان ملکوں کے پیچھے حضارت من آلاف ہزاروں برس کی تہذیب السنین ۱۰۰۰۰۰۰۰ کا تاریخ ہے۔

والشباب العربی - توجہات الاعتقاد الاشرافی قاہرہ ۲۹ مئی ۱۹۶۰ء

دشمن کے نام سے بھی اہمیت کے ساتھ ایک تاناک اسلامی تاریخ وابستہ ہے، ان کے دل میں اس کی تحریک پیدا نہیں کی کہ وہ اسلامی تاریخ اسلامی

فتوحات اور اسلامی فاتحین کی طرف کم از کم ایک ہلکا اشارہ ہی کرتے جائیں، اس کے برخلاف اپنے فضائل ..... و مناقب اور اپنی تیاریوں کا ذکر کرتے ہوئے انہوں نے کہا۔

بالعامل العربی عرب محنت کش اور زبرد و بالاصل العربی اور عربی جدوجہد کے نستطیع ان لفعل ذریعہ ہم بہت کچھ کر سکتے الکتیر و فجزء ہیں، اور یہ ہماری بڑی اساسی میں معرکتنا کا بنیادی جز ہے۔

اس پوری تقریر میں ایک جگہ اسلام، اسلامی تاریخ، اسلامی فتوحات، اسلامی روایات کا ذکر نہیں البتہ روس کا ذکر بہت شاندار الفاظ میں ہے اور اس کے لئے جو الفاظ انہوں نے استعمال کئے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو پورا یقین تھا کہ جس طرح مشرق میں بلقان کی زبردست دھمکی سے برطانیہ کو پیچھے ہٹنا پڑا، اس مرتبہ بھی اس کی حالت سے سارا معاملہ رخ و رخ ہو جائے گا۔

موقف الاعتقاد سوویت یونین کا موقف السوفییتی کا د بھی بہت اچھا تھا، ایک ایسا موقف کبیلر شاندار موقف اس لئے موقفا عظیما لان کہ سوویت یونین نے عربوں کو اتحاد السوفییتی کا تائید کیا ہے۔ بلکہ ایسا العرب و اس نے یہ تک کہا ہے ایسا الامتہ کہ وہ عربوں کے اور العربیۃ بل قال عرب قوم کے ساتھ مل انہ ہوا سبب قوم مع کہ ہر قسم کی مداخلت العرب ومع الامتہ اور ہر قسم کی جارحیت العربیۃ ای تنزل کا مقابلہ کرے گا، آج

دیکھو ان التھار دتہ ہر عرب پر یہ لازم ہے لازم کل عربی کہ وہ یہ سمجھے کہ اس لیرف مینا ہر العلو کا دشمن کون ہے اور وہی ہر الصدایق؟ دوست کون؟

(الشباب العربی ۲۹ مئی ۱۹۶۰ء)

"الشباب العربی" (جو مصر کی واحد کارکنی جماعت عرب سوشلسٹ یونین کی طرف سے قاہرہ سے شائع ہوتا ہے) کے اس شمارہ میں ایک انٹرویو بھی شائع ہوا ہے جو جمال عبدالناصر اور غیر ملکی صحافیوں کو دیا تھا، "فرانس سوار" کی خاؤن نامہ نگار نے ان سے پوچھا کہ یہ جانتے ہوئے کہ بڑی طاقتیں اسرائیل کو ختم کرنے کی اجازت کی

صورت میں نہیں دے سکتیں آپ نے مسئلہ کے آخر کی حل کے لئے آخر کیا سوچا ہے؟ تو اس کے جواب میں انہوں نے اپنے اسی عربی عزم و ارادہ کو دہراتے ہوئے عرب کا ذکر ان الفاظ کے ساتھ کیا کہ "اس میں گزرا ہے میرا اسی محبوب تہذیب کا حوالہ دیا ہے جو اہم مصر ابوسبل کے مندر اور فرعون کے مغربوں میں دفن ہے، انہوں نے کہا۔

احنا العرب شعب ہم عرب بہت ہی قدیم عربی، لنا حضارۃ قوم ہیں، ہمارا ایک قدیم قدامیہ ..... تاریخ ہے، تہذیب کے آلاف سنہ حضارۃ سات ہزار برس کی تاریخ و نستطیع ان نصبرو ہم ممبر کر سکتے ہیں اور اسکو نساقت بسرہولۃ آسانی سے سمجھا نہیں سکتے۔

(الشباب العربی ۲۹ مئی ۱۹۶۰ء)

ان اقتباسات سے جہاں فرعونیت سے ان کی بے پایاں عقیدت و محبت ظاہر ہوتی ہے، وہاں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ ۱۵۰۰ سے دور کو اسی فرعونی دور کا امتداد اور سلسلہ سمجھتے ہیں جو ہزاروں برس سے قائم ہے۔ اور یہ محسوس کرتے ہیں کہ اتنی عظیم اور قدیم تہذیب سے امتساب اور سوویت یونین کے اس "بہت اچھے اور شاندار موقف کے بعد فتح و کامرانی ضرور ان کے سر کا ہی ہوگی!"

مصری جدوجہد کی جڑیں ان افکار کو ذرا اور وسیع پس منظر میں دیکھتے اور ان کا تجزیہ کرنے کے لئے ہمیں ذرا پیچھے ہٹنا ہوگا، سخن ابناء الفراعنہ اور مصر تحکو نفسہا مصریوں کو دو ہزار سال پہلے بنفعا بعد الفی سنہ اور خود حکومت کرنا شروع کیا تیزان اقتباسات سے جو ابھی پیش کیے گئے ہیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس سے پیچھے ایک خاص نقطہ نظر ہے اور یہی وہ مقام ہے جہاں اسلام کو بھی بار پائی کی اجازت ملتی ہے لیکن کس طرح؟

مصر کا قومی منشور "السیاشاق الوطنی" قومیت عربیہ کی اہم دستاویز ہے وہ قومیت کے لئے اس کی مزید تفصیل و شواہد آگے آ رہے ہیں۔

تہ فرعون کی اولاد ہیں۔

تہ دیکھتے "مخبر" جمال عبدالناصر "مقالہ الشیخ محمد محمود الصادق و کبار علماء العراق ص۔

مبلوں اور داعیوں کی نظر میں "انقلابی عرب فکر اور سوشلسٹ منصوبہ بندی کا مصری زندگی کے لئے بڑا عظیم، اقوام عالم کے افکار میں نیا افادہ، انسانی تجربات کا زندہ خزانہ اور انقلابیوں کا تاریخی رہنما ہے" اور "اس نے انقلابی عرب تفریق کی فلسفیانہ بنیاد فراہم کی ہے اور آسمانی مذاہب کے سلسلہ میں سائنٹفک انسانی نقطہ نظر اپناتے ہوئے یہ ثابت کیا ہے کہ یہ مذاہب اور پیغام دراصل اہم سماجی انقلابات کا دوسرا نام ہیں، یہ ایک سوشلسٹ انسان کے رفیق دوسرا اور انقلابی فمیر کے روحانی مربی کی حیثیت رکھتے ہیں۔

**تاریخ کا فرعونی تصور**

اس قومی منشور کا تیسرا باب "حیث و النضال المصری (مصری جدوجہد کی جڑیں) کے عنوان سے شروع ہوا ہے اور اس میں بڑی سیر مندی اور صفائی کے ساتھ یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ یہ جدوجہد بڑا وسیع پس منظر رکھتی ہے اور اس کو اپنے قدیم ماحول، اپنی مختلف تہذیبوں اور مختلف تاریخی ادوار سے علیحدہ ذکر کرنا چاہیے اور ذیابا کرنا ممکن ہے، وہ فرعونی تاریخ کو مصری اور انسانی تہذیب کی اولین ہمار قرار دیتے ہوئے یہ کہتے ہیں کہ اس تاریخ کے مطالعہ نیز رومی اور یونانی اقتدار کے واقعات و تفسیرات سے یہ بات ثابت ..... ہے کہ مصر شہوری اور غیر شہوری طریقوں سے اس کی زندگی تاریخ سے متاثر ہے اور اس کا اس کی زندگی کی تعبیر میں اہم حصہ ہے، اسلام نے اپنے دور میں اسی حقیقت کو اور نمایاں کیا ہے اور اس کے نشانات اور زیادہ واضح اور روشن کر دیے ہیں۔

یہ وہ جگہ ہے جہاں انہوں نے اسلام کو اس قدیم تہذیب کے خدمت گار یا بدگار یا نہ زیادہ سے زیادہ ایک حصہ دار کی حیثیت دکاہے، اور درحقیقت یہی وہ طرز فکر ہے جس نے قومیت عربیہ کے اس پیکر سے اسلامی تاریخ کی اولیت و الفردیت اسلامی عقیدہ کی ابدیت اور نبوت مجددی کی رفعت و عظمت سلب کر لی ہے، اس نے کھل کر اس کے خلاف بناوت کی دعوت تو نہیں دی لیکن باغیوں کے لئے اس کا راستہ پوری طرح متین اور صاف

سے مقالہ "المیاشاق الوطنی" الشباب العربی قاہرہ ۱۳ اپریل ۱۹۶۰ء

لے ایسا ..... دیکھتے قومیت کی بحث

کر دیا ہے بلکہ ان کے لئے جا بجا ایسے کا نام مقرر کر دیا ہے جو ان کی برابری رہنمائی اور ہمت افزائی کرنے میں اور جو بات دبی زبان میں کہی گئی ہے اس کو ذمہ کی چوٹ پر رکھتے ہیں،

یہاں جذور النضال المصری کا وہ اقتباس پیش کیا جاتا ہے جس میں مصر کی اس جدوجہد حریت کی جڑوں کی طرف رہنمائی کی گئی ہے۔

ومصری الذوات مصر خود اپنے گروہ و پیش لم نقعش حیاتیاتھا سے علیحدہ اور فی غزلۃ من منقطع زمرہ سکاہہ شہور المنطقہ المحیطۃ طور پر اور کبھی شوک کیا تھا ہے لبھا، بل کانت ماحول سے متاثر ہوتا رہا داسما بالوعی و جس طرح ایک جز کل بلا و عی فی بعض کے ساتھ ہوتا ہے یہ ایک الاحیان - تشریح مسلم حقیقت ہے جس کو فیما حولہا و تباشر فرعونی تاریخ جو مصری بد، کما متفاعل اور انسانی تہذیب کا الحجز مع الكل اولین ہمارے اچھی طرح و تملك حقیقتہً ظاہر کرتی ہے، اور

تظہر ہا دراستہ رومیوں و یونانیوں کے دور تسلط کے واقعات مصالح الحضارۃ اس کو مزید مدد کرتے

المصریۃ والاشیائے الاوائی کما تونکھا بعد الذک و قاتم عصور السیطر الرومانیۃ والاعزیقیۃ۔

وکان الفتح الاسلامی ضوع ایسی روشنی تھی جس نے اس حقیقت کو اور نمایاں کیا اور اس کے نشانات روشن کئے اور اس کو شکر اور روحانی وجدان کا نیا لباس دیا، پھر تاریخ اسلامی کے دائرہ میں نیز پیغام محمدی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رہنمائی میں مصری

**فرعون کی گاڑی کے قلی**

صدر ناصر کی کاہنیہ کے سابق وزیر قومی، ہنسائی اور مشہور قوم پرست صاحب قلم فخری رضوان نے اپنے ایک مضمون میں جو "المصورہ قاہرہ میں شائع ہوا ہے، پوری اسلامی تاریخ کو فرعونیت کا تسلسلہ ثابت کرنے کی بھر پور کوشش کی ہے اور یہ کہا ہے کہ عرب جو دراصل فرعون کی اولاد ہیں اور انہوں نے تہذیب کے اس شعلہ کو جو مصریوں نے روشن کیا تھا، دوبارہ ضیا بخشی، وہ بڑی نادر و اجسارت کے ساتھ صاف صاف کہتے ہیں۔

من الخطر ان لا تعلم ان الحضارۃ اول ما ولدت، ولدات فی مصر وان المصریین وھرحیت الادم اقرب ما یتکونون من عرب الیوم نقلوھا الی الامم حتی اذا ماتت اھروت

یہ بیت خطرناک بات کہہ رہے ہیں کہ تہذیب اول ما ولدت، ولدات فی مصر اور یہ کہ ان مصریوں نے جو قومیت کے رشتہ دار اقرب ما یتکونون من عرب الیوم نقلوھا الی الامم حتی اذا ماتت اھروت

حصارۃ الیونان والرومان، عاد العرب، دھم احقاد المصریین، القداماء الخ، اشغال حدوة، تلك الحضارة۔

کے جب یونانوں اور رومیوں کی تہذیب کو بھی زوال ہو گیا تو یہی عرب جو ان قدیم مصریوں کا اولاد و احقاد میں ہے اور انہوں نے اس تہذیب کی دل بولی چنگاری کو پیرے روشن کیا۔

یہ اس عظیم اسلامی کردار کی اصل تشریح ہے جو جمال عبدالنہار کے نظریہ فرعونیت کے پرچم پر روشن وکیل اور ان کی وزارت میں قومی رہنمائی کے وزیر نے کی ہے اور جس میں اسلام کو اڑھائی کا ڈیڑھ کا تسلی نہیں بلکہ اس فرعون مصر کی گاڑی کا تسلی بنانے کی تاریخی جسارت کی گئی ہے جس کے مثلین قرآن مجید کا یہ اعلان ہے کہ

يقدم قومك يوم القيامة فاورد هم النار وبشئ الورد السورود، و تسبنا في هذه الدنيا لعنة وليوم القيامة ينش السرفذ السرفوذ، جوامعہ لکھا گیا ہے۔

رجعت پسندی اور باہر خانہ جنگی کے مرادف قرار دیا ہے۔ وہ مصری قوم کی سپماندگی کی داستان علم سنانے ہوتے بغیر کسی تزد کے پورکی صفائی کے ساتھ اعلان کرتے ہیں۔

هذا هو شعبنا ہمارا یہ قوم جو ایک ہزار امین استصحابا برکت سے نازد عود سے علم دام اکثر من الف سنة ہے ایک ہزار برس سے دین رجعتہ عاشت کثیر زائد زمانہ سے رجعت من الف سنة و رفصیم پسندی کی شکار ہے اور اتحاد تقدی با طول الف سنة ایک ہزار برس سے خانہ جنگی سبداً لیومین بنفسہ میں مبتلا ہے اب اپنے اوپر ایمان لانے لگے ہے۔

ایک ہزار سال سے پہلے سے نیکر عثمانی خلافت تک مصر میں جو دور تھا اس میں حضرت عمرو بن العاص سے لیکر عہد اموی، عہد عباسی، عہد ابوبی ... سب دور شامل ہیں اور یہی وہ تانبناک عہد ہے جس کو ہلاک شرم اور حجاب کے سامرا جیت رجعت پسندی اور خانہ جنگی سے تعبیر کیا جا رہا ہے اور یہ سب کچھ ان صاحب کی زیر صدارت ہو رہا ہے جن کو بہت سے لوگ اب بھی اسلام کا سچا اور مخلص خادم سمجھتے ہیں۔

اپنا اہم کتاب "الفرومیتۃ العربیۃ تورتہ دینا" میں معضت نے ایک مکالمہ بھی پیش کیا ہے جو صوت العرب ریڈیو اسٹیشن سے زائر و تارن کے عنوان سے پوری قوت اور بلند آہنگی کے ساتھ نشر کیا گیا۔ (صوت العرب مصر کا وہ طاقتور ریڈیو اسٹیشن ہے جہاں سے قوم پرست عرب نوجوانوں اور نئی نسل کو نہ صرف مصر بلکہ پورے عالم عربی میں سمور کر رکھا ہے اور ان کے دل و دماغ کو ان فرعونی خیالات اور جاہلی قومیت کی دعوت سے اس قدر مسموم کر دیا ہے کہ وہ اس کے علاوہ کوئی اور بات سننے کے بھی روا دار نہیں، یہ وہ ریڈیو اسٹیشن ہے جس کو اپنے نشریات میں کبھی مبول کر بھی انہی اسلام، انہی فی الاسلام، انہی فی الحقیقہ کہنے کی توفیق نہ ہو گئی اور اس نے ہمیشہ صرف اس طرح خطاب کیا،

احیاء فرعونیت کا گدہ ایسا ہے جو پورکی فوت کے ساتھ مصر میں جا رہا ہے، ڈاک کے ٹکٹوں، لمبوں، انسانوں، ڈراموں، ٹانفوشوں، تصویروں اور کتابوں کے ذریعہ مٹیں، تو ت شیخ آتون اور فرحتی وغیرہ کو زندہ جاوید بنانے اور قوم کی عظمت کا مزہ ثابت کرنے کی جو کوشش کی جا رہی ہے اور خاص طور پر اس فرعون موی (جس کو سب سمجھتے ہیں اور جس کے مثلین قرآن مجید کی آیات ابھی ہم نے پڑھی ہیں) کے مجھے مصر کی اہم شاہراؤں اور چوراہوں میں طرح طرح سے لگے ہیں وہ اب کسی سے مخفی نہیں ہیں صوت العرب کے ڈائرکٹر اور عالم عربی کے محبوب و سرآمد سعید نے باسمر العروبة دینا اور بن العرب (عربیت اور عربوں کی عظمت کے لیے) اپنی شکل و آبیوں یا ہرگز ہر سرائیوں کا جو سلسلہ قائم کر رکھا ہے وہ بھی ان فرعونیت کے مکے کے وقت ہے اور اس میں انہوں نے نام بجز اور بالواسطہ طور پر اس نام کو سامرا جیت الغزویۃ العربیۃ، قوت و بناء (عجم و خطبات) مولف احمد سعید ص ۱۱۱

ادراپی نشریات کا آغاز جس کا نمونہ احمد سعید کی زبان سے اور پھر پیش کیا گیا ہے ہمیشہ اس جملے سے کیا: صوت العرب بینا دنیا امۃ العربی اسلامی اثرات سے بیزاروں کی مکالمہ میں اس کے ڈائرکٹر اور شہرہ آفاق انا دلہرا احمد سعید نے یہ خیال ہے کہ احمد سعید کی مقبولیت کا عالم ان ممالک کے عربیہ میں یہ ہے کہ شاعر جمال عبدالنہار اور ام کلثوم کے بعد ان کا ہی نمبر ہو (رجعت پسندی اور ترقی پسندی کی کشمکش کی تصویر پیش کی ہے اور غلامی طور پر اپنے ماضی سے رشتہ توڑنے کی دعوت دی ہے۔ سلف مبارک کی جگہ انہوں نے قدرتی طور پر اور مسکوتاً بھی لایا ہے کہ خود سیاق و سباق سے ظاہر ہے سلف قدیم کا لفظ استعمال کیا ہے اور اس کے بعد بڑے اطمینان و بے خوفی کے ساتھ اسکو پرت تقبیر بنایا ہے اس مکالمہ کے بعد اس کا نتیجہ پیش کرنے ہوتے خود لکھتے ہیں:-

وقصة السید و عامر و ثمار تشید و عامر و المحتمع و سوانحی کے قند سے بہت مشابہ ہے جس میں ایک طرف اچیلنا المرحجیۃ التي نشأت علی ما انشاها علیہ الملک الفدایم، شرعاً ہیرو المعاصرة التي تعیش فی مطلع مرحلة هامة من اجل تطور المجتمع العشریة، و فتدا و لا نظمة التمی حنادھا السلف الفدایم للبیۃ و وجدات غیرما قیداً تصوق تطورھا و تقف دون ما مترجوعاً لنفسھا ولا جبالہا من حویۃ و رخاء و المجتمع العربی الکیوم جو آزادی اور خوش حالی

دینا، میں معضت نے ایک مکالمہ بھی پیش کیا ہے جو صوت العرب ریڈیو اسٹیشن سے زائر و تارن کے عنوان سے پوری قوت اور بلند آہنگی کے ساتھ نشر کیا گیا۔ (صوت العرب مصر کا وہ طاقتور ریڈیو اسٹیشن ہے جہاں سے قوم پرست عرب نوجوانوں اور نئی نسل کو نہ صرف مصر بلکہ پورے عالم عربی میں سمور کر رکھا ہے اور ان کے دل و دماغ کو ان فرعونی خیالات اور جاہلی قومیت کی دعوت سے اس قدر مسموم کر دیا ہے کہ وہ اس کے علاوہ کوئی اور بات سننے کے بھی روا دار نہیں، یہ وہ ریڈیو اسٹیشن ہے جس کو اپنے نشریات میں کبھی مبول کر بھی انہی اسلام، انہی فی الاسلام، انہی فی الحقیقہ کہنے کی توفیق نہ ہو گئی اور اس نے ہمیشہ صرف اس طرح خطاب کیا،

دیشمن صراعات دنیا میں جیلہ الفتی واجبالہ للتحلفۃ حول جوہر نظامہ و ضرورت بقائہ او الفاشلہ حق تعوم محبتہم جلیدیلہ انظمتہ و اسالیبہ و اهدا فہ الحدیدۃ فی الحیاۃ۔

وہ چاہتے ہیں اس سے اس میں کاٹ پیدا ہوتی ہے، عرب معاشرہ میں آج کی نسل اور قدیم لسانہ نسلوں کے درمیان ایک کشمکش برپا ہے یہ کشمکش ہم پر اپنے نظام کے جوہر کو بانی رکھا جائے یا اسکو باطلی نمک کر دیا جائے تاکہ ایک نیا سوسائٹی وجود میں آسکے جو نئے نظاموں طریقوں اور زندگی کے نئے قاصد کا حامل ہو۔

جدید فرعونیت کے تشبیب و خوراز نے اپنی مشہور کتاب "فلسفۃ الشورۃ لکھی تو اس وقت بھی ان کا ذہن اہرام مصر کے مہیب سایہ سے آزاد نہ تھا۔ یہ کتاب انہوں نے حج کے بعد لکھی ہے، حج میں انہوں نے پہلی بار عالم اسلام کا پھیلاؤ محسوس کیا۔ اور یہ لکھا کہ آج بڑی طاقت سے فائدہ اٹھانا فرعونیت کے لغزہ کے ساتھ ناممکن ہے اس لئے کہ اس لغزہ کے ساتھ عرب ممالک بھی ان کے ساتھ نہ دے سکیں گے، اسلامی ممالک کا کیا سوال یہ وہ موڑ تھا جہاں سے انہوں نے عربی قومیت کا علم بلند کیا، بلکہ زیادہ صحیح الفاظ میں اسکو اپنا لیا۔

یہ تصور انہوں نے "حزب الدعوت العربی الاثنزائی" سے لیا جو شام میں عرصہ سے ملحد از عرب قوم پرستی کی درمی ہے یا انہوں نے اس کو فود اپنے خاص لفظ نظر کے ساتھ پیش کیا یہ بحث فضول ہے دیکھنے کی بات یہ ہے کہ قومیت عربیہ کی اس دعوت کو اسلام کا نام لے کر بغیر پیش کرنا ان کے لئے آسان تھا، اس طرح رفتہ رفتہ اس میں مخلوہ خیالات اور فرعونی آنکار کی آمیزش بھی طرح کی جاسکتی تھی، اپنی کتاب "فلسفۃ الشورۃ" کے آخری صفحہ میں انہوں نے اپنی جدوجہد کو یقیناً تیناداروں میں تقسیم کیا ہے، عرب دائرہ، افریقی دائرہ، اسلامی دائرہ لیکن اسکے بعد انہوں نے اسلام کا کیا حق ادا کیا اسکا سبب دیکھنے کے لئے ان کی مشہور تقریروں کے مجموعہ پر ایک نظر ڈال لینا کافی ہے جو باریک انگریزی ٹائپ میں ۲۲۲ صفحوں پر پورا ہوا ہے، اس کے انوکس میں اس بات کی مراحت موجود ہے کہ ان سب تقریروں میں مجموعی طور

۱۹۵۳ء میں جب جمال عبدالنہار نے اپنی کتاب "فلسفۃ الشورۃ" میں راجحی اہمیت کے لحاظ سے مصر کے قومی شہرہ المیتانی اور الفیقا سے کم نہیں بلکہ ... اس حقیقت سے کہ اس میں جمال عبدالنہار کے خیالات خود ان کے قلم سے درج ہیں اس کی اہمیت اس سے زیادہ ہے (وہ اپنی قومی جدوجہد کے اصل مقصد سے پردہ اٹھانے ہوتے انہی بات کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

۱۹۵۳ء میں جب جمال عبدالنہار نے اپنی مشہور کتاب "فلسفۃ الشورۃ لکھی تو اس وقت بھی ان کا ذہن اہرام مصر کے مہیب سایہ سے آزاد نہ تھا۔ یہ کتاب انہوں نے حج کے بعد لکھی ہے، حج میں انہوں نے پہلی بار عالم اسلام کا پھیلاؤ محسوس کیا۔ اور یہ لکھا کہ آج بڑی طاقت سے فائدہ اٹھانا فرعونیت کے لغزہ کے ساتھ ناممکن ہے اس لئے کہ اس لغزہ کے ساتھ عرب ممالک بھی ان کے ساتھ نہ دے سکیں گے، اسلامی ممالک کا کیا سوال یہ وہ موڑ تھا جہاں سے انہوں نے عربی قومیت کا علم بلند کیا، بلکہ زیادہ صحیح الفاظ میں اسکو اپنا لیا۔

یہ تصور انہوں نے "حزب الدعوت العربی الاثنزائی" سے لیا جو شام میں عرصہ سے ملحد از عرب قوم پرستی کی درمی ہے یا انہوں نے اس کو فود اپنے خاص لفظ نظر کے ساتھ پیش کیا یہ بحث فضول ہے دیکھنے کی بات یہ ہے کہ قومیت عربیہ کی اس دعوت کو اسلام کا نام لے کر بغیر پیش کرنا ان کے لئے آسان تھا، اس طرح رفتہ رفتہ اس میں مخلوہ خیالات اور فرعونی آنکار کی آمیزش بھی طرح کی جاسکتی تھی، اپنی کتاب "فلسفۃ الشورۃ" کے آخری صفحہ میں انہوں نے اپنی جدوجہد کو یقیناً تیناداروں میں تقسیم کیا ہے، عرب دائرہ، افریقی دائرہ، اسلامی دائرہ لیکن اسکے بعد انہوں نے اسلام کا کیا حق ادا کیا اسکا سبب دیکھنے کے لئے ان کی مشہور تقریروں کے مجموعہ پر ایک نظر ڈال لینا کافی ہے جو باریک انگریزی ٹائپ میں ۲۲۲ صفحوں پر پورا ہوا ہے، اس کے انوکس میں اس بات کی مراحت موجود ہے کہ ان سب تقریروں میں مجموعی طور

پر صرف دو جگہ اسلام کا لفظ آیا ہے۔ اس کے برخلاف فرعونی تہذیب کی عظمت ان کے دل و دماغ پر برابر چھائی رہی اور عرب اسرائیل جنگ جیسے نازک اور فیصل کن مواقع پر بھی وہ اس کی دہائی دیتے رہے (جیسا کہ گذشتہ صفحات میں بتایا گیا ہے)

ان کو ہمیشہ صرف اس بات سے لچھی رہی کہ اقتدار جو مصریوں کے ہاتھ سے دو ہزار سال پہلے ناپا نے، وہ وہیں سے اور پھر وہیں سے فاتح اسلام عمرو بن العاص نے چھین لیا تھا، وہ انہو کو دوبارہ واپس لے اور فرعونی تاریخ کے اس شاندار دور کا پھر آغاز ہو جس نے ان کے بقول مصری اور انسانی تہذیب کی بنیاد پہلی بار دنیا میں رکھی اور جس کے نشانات اپنے دور میں اسلام نے اکر اور اجاگر کئے تھے۔

اپنی کتاب "فلسفۃ الشورۃ" میں راجحی اہمیت کے لحاظ سے مصر کے قومی شہرہ المیتانی اور الفیقا سے کم نہیں بلکہ ... اس حقیقت سے کہ اس میں جمال عبدالنہار کے خیالات خود ان کے قلم سے درج ہیں اس کی اہمیت اس سے زیادہ ہے (وہ اپنی قومی جدوجہد کے اصل مقصد سے پردہ اٹھانے ہوتے انہی بات کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

۱۹۵۳ء میں جب جمال عبدالنہار نے اپنی کتاب "فلسفۃ الشورۃ" میں راجحی اہمیت کے لحاظ سے مصر کے قومی شہرہ المیتانی اور الفیقا سے کم نہیں بلکہ ... اس حقیقت سے کہ اس میں جمال عبدالنہار کے خیالات خود ان کے قلم سے درج ہیں اس کی اہمیت اس سے زیادہ ہے (وہ اپنی قومی جدوجہد کے اصل مقصد سے پردہ اٹھانے ہوتے انہی بات کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

۱۹۵۳ء میں جب جمال عبدالنہار نے اپنی مشہور کتاب "فلسفۃ الشورۃ لکھی تو اس وقت بھی ان کا ذہن اہرام مصر کے مہیب سایہ سے آزاد نہ تھا۔ یہ کتاب انہوں نے حج کے بعد لکھی ہے، حج میں انہوں نے پہلی بار عالم اسلام کا پھیلاؤ محسوس کیا۔ اور یہ لکھا کہ آج بڑی طاقت سے فائدہ اٹھانا فرعونیت کے لغزہ کے ساتھ ناممکن ہے اس لئے کہ اس لغزہ کے ساتھ عرب ممالک بھی ان کے ساتھ نہ دے سکیں گے، اسلامی ممالک کا کیا سوال یہ وہ موڑ تھا جہاں سے انہوں نے عربی قومیت کا علم بلند کیا، بلکہ زیادہ صحیح الفاظ میں اسکو اپنا لیا۔

یہ تصور انہوں نے "حزب الدعوت العربی الاثنزائی" سے لیا جو شام میں عرصہ سے ملحد از عرب قوم پرستی کی درمی ہے یا انہوں نے اس کو فود اپنے خاص لفظ نظر کے ساتھ پیش کیا یہ بحث فضول ہے دیکھنے کی بات یہ ہے کہ قومیت عربیہ کی اس دعوت کو اسلام کا نام لے کر بغیر پیش کرنا ان کے لئے آسان تھا، اس طرح رفتہ رفتہ اس میں مخلوہ خیالات اور فرعونی آنکار کی آمیزش بھی طرح کی جاسکتی تھی، اپنی کتاب "فلسفۃ الشورۃ" کے آخری صفحہ میں انہوں نے اپنی جدوجہد کو یقیناً تیناداروں میں تقسیم کیا ہے، عرب دائرہ، افریقی دائرہ، اسلامی دائرہ لیکن اسکے بعد انہوں نے اسلام کا کیا حق ادا کیا اسکا سبب دیکھنے کے لئے ان کی مشہور تقریروں کے مجموعہ پر ایک نظر ڈال لینا کافی ہے جو باریک انگریزی ٹائپ میں ۲۲۲ صفحوں پر پورا ہوا ہے، اس کے انوکس میں اس بات کی مراحت موجود ہے کہ ان سب تقریروں میں مجموعی طور

وہ اپنی جدوجہد کو مصر کی فرعونی تاریخ سے کسی قیمت پر علیحدہ کرنا نہیں چاہتے وہ اپنے ناموں کا ذکر بھی نسبتاً اچھی طرح کرتے ہیں، لیکن وہ اپنا کے حملہ اور اسلامی فتوحات کا ذکر وہ اس انداز میں کرتے ہیں جیسے وہ دونوں ایک ہی قسم کے واقعات ہوں۔

فلسفۃ الشورۃ میں ایک جگہ لکھتے ہیں۔

وفی رأی الشہدا میری رائے یہ ہے کہ مصر میں کئی غفالی تاریخ مصر طرح نظر انداز نہیں کیا جاسکتا اسی طرح یونانی تفاعل الروح البزانی دون کا ہماری روح مع روحنا شام غزویہ کے ساتھ اختراچ کو بھی السرومان والفتح میری رائے یہ ہے کہ مصر اور اسلامی فتح اور الہجرت العویۃ عرب ممالک سے ہجرت السنی اعقبۃ کا وہ لہریں جو اس کے بعد جاری رہیں۔

وہ ان عجمی مسلم فاضلین اور مسلمانین و مجاہدین کا جنہوں نے عالم اسلام اور مرکز اسلام کی بڑے نازک وقت میں مدد کی اور صلیبی حملہ آوروں اور "تاریخ و شہدوں" دونوں کو شکست دینے کا سہرا ان ہی کے سر پر ہا۔ کوئی احسان ماننے پر تیار نہیں، ان کا ذوق انار لیکن الاعلیٰ اور الیس فی ملک مصر و دھنہ الامتعال تجری میں تھی اس کو گوارا نہیں کرتا کہ تاریخ کے اتنے اہم واقعات کا سہرا ان مجاہدوں کے سر بند ہے لیکن اسلام سے بے نیازی اور عربی قومیت کا لغزہ بلند کرنے کے بعد یہ دستاویز بالکل قدرتی تھی اور اس سے عہدہ ہوا ہونا آسان تھا، اس سے انہوں نے یہ لیکر چھٹکارا پایا کہ یہ سب دراصل عرب قومیت کی فتح تھی اور اس میں سب سے بڑا حصہ خود مصر کا تھا۔

۲۵ اپریل ۱۹۵۹ء کو آخری کتب میں تقریر کرتے ہوئے انہوں نے صاف صاف کہا۔

۱۹۵۳ء میں جب جمال عبدالنہار نے اپنی کتاب "فلسفۃ الشورۃ" میں راجحی اہمیت کے لحاظ سے مصر کے قومی شہرہ المیتانی اور الفیقا سے کم نہیں بلکہ ... اس حقیقت سے کہ اس میں جمال عبدالنہار کے خیالات خود ان کے قلم سے درج ہیں اس کی اہمیت اس سے زیادہ ہے (وہ اپنی قومی جدوجہد کے اصل مقصد سے پردہ اٹھانے ہوتے انہی بات کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

۱۹۵۳ء میں جب جمال عبدالنہار نے اپنی مشہور کتاب "فلسفۃ الشورۃ لکھی تو اس وقت بھی ان کا ذہن اہرام مصر کے مہیب سایہ سے آزاد نہ تھا۔ یہ کتاب انہوں نے حج کے بعد لکھی ہے، حج میں انہوں نے پہلی بار عالم اسلام کا پھیلاؤ محسوس کیا۔ اور یہ لکھا کہ آج بڑی طاقت سے فائدہ اٹھانا فرعونیت کے لغزہ کے ساتھ ناممکن ہے اس لئے کہ اس لغزہ کے ساتھ عرب ممالک بھی ان کے ساتھ نہ دے سکیں گے، اسلامی ممالک کا کیا سوال یہ وہ موڑ تھا جہاں سے انہوں نے عربی قومیت کا علم بلند کیا، بلکہ زیادہ صحیح الفاظ میں اسکو اپنا لیا۔

یہ تصور انہوں نے "حزب الدعوت العربی الاثنزائی" سے لیا جو شام میں عرصہ سے ملحد از عرب قوم پرستی کی درمی ہے یا انہوں نے اس کو فود اپنے خاص لفظ نظر کے ساتھ پیش کیا یہ بحث فضول ہے دیکھنے کی بات یہ ہے کہ قومیت عربیہ کی اس دعوت کو اسلام کا نام لے کر بغیر پیش کرنا ان کے لئے آسان تھا، اس طرح رفتہ رفتہ اس میں مخلوہ خیالات اور فرعونی آنکار کی آمیزش بھی طرح کی جاسکتی تھی، اپنی کتاب "فلسفۃ الشورۃ" کے آخری صفحہ میں انہوں نے اپنی جدوجہد کو یقیناً تیناداروں میں تقسیم کیا ہے، عرب دائرہ، افریقی دائرہ، اسلامی دائرہ لیکن اسکے بعد انہوں نے اسلام کا کیا حق ادا کیا اسکا سبب دیکھنے کے لئے ان کی مشہور تقریروں کے مجموعہ پر ایک نظر ڈال لینا کافی ہے جو باریک انگریزی ٹائپ میں ۲۲۲ صفحوں پر پورا ہوا ہے، اس کے انوکس میں اس بات کی مراحت موجود ہے کہ ان سب تقریروں میں مجموعی طور

سے عرب قومیت کا جھنڈا دو سو بیس صدی میں اس وقت بلند کیا گیا جب بیرونی طاقتوں (صلیبی حملہ آوروں) نے اس پر حملہ کیا، اس وقت لوگوں نے محسوس کیا کہ ان کے تحفظ و بقا کا انحصار عربی قومیت پر ان کے مضبوط عقیدہ پر ہے اور عربی قومیت کی جڑیں ان کا بچا سکتی ہے اس وقت عرب قومیت کے دفاع کے لیے عرب زمین اور عرب قومیت کی حفاظت کے لیے شامی بھی مصریوں کے ساتھ تیار ہو کر آئے، یہ تھا ان کو اس وقت حاصل ہو سکی جب انھوں نے یہ یقین کر لیا کہ عرب قومیت ان کا تحفظ پر قیصر کرنے کے بعد وہ تمام میں داخل ہو گئے اور مصر بھی خطرہ کا زد میں آ گیا۔ اس وقت یہ بات کھل کر سامنے آئی کہ اس حملہ کا مقابلہ صرف عرب قومیت کے پرچم کے نیچے رہ کر ہی کیا جاسکتا ہے۔ چنانچہ یہی کیا گیا اور کامیابی حاصل ہوئی۔

ان فتوحات کا سہرا عرب قومیت کے ہاتھ ہے وہ اس کے بعد کی ساری تاریخ پر غماخ پھیلتے چلے گئے۔ مسلمانین، مچا ہیز اور غازیوں کو جن کا قبور صرف یہ تھا کہ وہ مصری تھے، سامراجی ظالم و جاہل مصر کا خون چوسنے والے اور اس کو ذلیل و خوار کرنے والے قرار دیتے ہیں۔

صلیبی جنگوں کے ذکر کے ساتھ ان سامراجیوں کا ذکر وہ اس طرح کرتے ہیں:

لقد تحسّل شعبنا وحدة حفظ اعياد المحرّوب الصليبية وخرج بعدھا فقيرا معدما منهنوا العتوي وحقى نفسى السوت الذى هذته المحركة

ان صلیبی جنگوں کا زیادہ تر بوجہ ہماری قوم نے برداشت کیا اور اس کے نتیجے میں غلبہ و فقر اور خستہ حال ہو کر سامنے آئی اس زمانے میں جب مسلمانوں کو نہ چوراہہ نہ حال کر دیا۔ پھر منقل اور شکر کسی حملہ آوروں کے گھوڑوں

شعبات جمال عبدالنار (انگریزی) جنوری ۱۹۵۵ء

(شائع کردہ وزارت اطلاعات قاہرہ)

شاءت للظروف ان يعانى الذل تحت سايح خيول الطفافة القادمين من المخول والشركس كانوا يجيشون الى مصر عبدا فيفتكون امرا ويصبغون هم الامراء وكافرا يساقون اليها محاليلك فلا تفض عليه فترقة في البلد لطيب السوديم حتى يصعبوا ملوكا واصبح الطغيان والظلم والحروب طابع الحكمه في مصر على عهدهم الذى عاشت مصر في مجاهله تروفا طرميلة تلك العنتره تحول فيها وطننا فى غايه تشكها وحوش ضارية كان المدايلك يعتبرون دنيا غنيمه مسائفة صليبي جنگوں کے بارے میں تاریخ کے اتنے بڑے جھوٹے قطع نظر جو مصر جیسے بڑے ملک کے لیے

لہ فلسفۃ الثورة (مسلا تاگ) ۳۳

تاریخ کا ہر خاں علم بلکہ ہر مصلح مسلمان واقف ہے کہ صلیبی جنگوں کے اس فاقہ کا نام سلطان صلاح الدین ایوبی ہے جو کردی اور غیر عرب تھا اور آذربائیجان کے علاقہ میں پیدا ہوا تھا اور اس کے لشکر میں لائے والے مصری نہیں بلکہ ترک گز اور شامی تھے، اور اس نے اس (بانی کالم ۳۳)

میں دور "فلسفۃ الثورة" اور "الميثاق الوطنى" جیسی عالمی شہرت رکھنے والی دستاویزوں میں بولایا گیا، دیکھنے کی بات یہ ہے کہ "جنگلی درندوں" کا یہ لفظ مختلف نشوں اور قوتوں کے مسلم فاتحین، مجاہدین اور سلاطین کے لئے استعمال کیا گیا ہے۔ یہ پورا دور جو تقریباً چھ سو برس پر پھیلا ہوا ہے زیادہ تر عربی سلاطین پر مشتمل ہے اس میں کرد بھی شامل ہیں اور سکیوتی بھی اور عثمانی ترک بھی اور یہ سب متحدہ عرب جمہوریہ کے لائق صدر کے نزدیک محض اس لئے جنگلی درندے کہے جاتے تھے کہ وہ باہر سے آکر مصر پر قابض ہو گئے تھے۔

ہزاروں برسوں پرانی قومیت وہ اس کے قائل ہیں کہ جس کا رشتہ کسی نہ کسی طرح فراغ سے جڑ سکتا ہو، وہ ہزاروں برس سے کم بات کرنا نہیں جانتے۔ اس سے کم میں ان کی تسکین ہوتی ہے، ۱۹۵۸ء میں انھوں نے اس کو ہزاروں برس پرانی قومیت کہہ کر مصریوں کو یہ احساس دلانا چاہا تھا کہ تمہاری اصل تہذیب اور تمہارا اصل سرمایہ وہی ہے جو فرانسسوں اور انگریزوں نے زمین کھود کھود کر بری محنت و مشقت سے تمہارے لئے نکالا تھا۔ "الميثاق الوطنى" میں فرانسسوں کے خاتمہ و غلبے کا ذکر کرتے ہوئے انھوں نے خود اس کا اعتراف کیا ہے۔

وجاءت معهما المحامات عن العلوم الحدیثة التى طورتها الحضارة الاوردية بعد ان روائى من نتج حاصل کرنے کے بعد ہزاروں برسوں کا قدیم فرعونی تہذیب کا لہرہ ہمیں گھایا تھا۔ بلکہ یہ مشہور اور ایمان افروز تاریخی جملہ کا تھا۔ ہا انا ذال انتصر لمحمد صلى الله عليه وسلم. آج میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا بدلے رہا ہوں۔

اس طرح ملک مصر الملک المظفر قطر نے جب عین حالات کے نشہ و حرکت میں تاروں سے (لڑتے ہوئے) اپنی خود سر سے آنا کر تین مرتبہ خدا گمانی تو اس نے واضح کیا کہ نہیں بلکہ وہ اسلما ماہ کہا تھا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی مدد سے اور فتح کی خبر سے سلطان نور الدین نے گھوڑے سے اتر پڑا، عبودیت دھڑکے طور پر اپنا چہرہ خاک پر دکھا اور رکت نماز پڑھی اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔

اخذا تماعن غیر ہا من الحضارات والحضارة الفرعونية والعربية في مقندا متھرا، كذلك جاءت معهما بالامستادة الكبار الذین قاموا بدراستہ احوال مصر وبالکشف عن اسوار تارینھا القدیة ویکون هذا الزاد یحتمل فی طیاشہ ثقلہ بالتفسیر کما کان یحتمل آفاقا جادیدا تشد خیال الحركة المتحفرة للشعب المصری

دھال یا تھا ان تہذیبوں میں سب سے پیش میں فرعون اور عربی تہذیب تھی۔ اسی طرح اس کے ساتھ بہت بڑے محققین اور ماہرین بھی آئے جنہوں نے مصر کے حالات کا مطالعہ کیا اور اس کی تاریخ قدیم کے اسرار فاش کیے۔ یہ نیا سرمایہ ایک طرف خود اعتمادی پیدا کرتا تھا۔

ہزاروں برسوں پرانی تہذیب کا یہی فیصل تھا، جس نے ۱۹۶۷ء تک پہنچتے پہنچتے ہزاروں برسوں پرانی تہذیب کی باضابطہ اور متین شکل اختیار کر لی۔

۱۹ مارچ ۱۹۵۸ء کو دمشق میں تقریر کرتے ہوئے انھوں نے بار بار عرب اتحاد کی تلامت کا ذکر کیا اور یہ شیوہ دینا چاہا کہ ہمارے اس عربی اتحاد کی جڑیں اور شاخیں ہزاروں برس پرانے زمانہ میں پیوست ہیں۔ انھوں نے کہا کہ ہزاروں برسوں سے عرب عام حملہ آوروں کے مقابلہ پر ڈٹے ہوئے ہیں۔ انھوں نے کہا کہ "بھائیو یہ حالات کا فطری مہار اور شہیار کا میزج ارتقاء ہے، یہ دونوں کا اتحاد ہے جو ہر اہم برس سے قائم ہے۔ یہ منطقہ ہزاروں برسوں سے منظر ہے اور غیر ملکی حملہ آوروں کے مقابلہ کے لئے سب عرب ہمیشہ سے شانہ بشانہ ہو کر لڑتے رہے ہیں۔

فزعیت کا اس قول و عمل کا تضاد کے لئے

لہ "الميثاق الوطنى" کے لہ شعبات جمال عبدالنار (انگریزی) جنوری ۱۹۵۵ء

وزارت اطلاعات قاہرہ ۱۹۵۵ء

ای کو کسی بھی اسلام کا بھی سہارا لینے کی ضرورت پیش آتی ہے اگرچہ اسکی مقدار اور تہذیب کم ہے لیکن یہاں پہنچنے والی شخصیت اور زیادہ سے نقاب ہونگے۔ ان کی پہلی اور سب سے بڑی پہچان فرعونیت ہے جس کے اوپر انھوں نے تہذیب پرانے کا ایک نیا پردہ ڈال لیا ہے لیکن ان کی بدقسمتی سے یہ پردہ آنا داغ داغ اور تار تار ہے کہ وہ ان کی اصل شخصیت کو چھپانے سے قاصر ہے۔ یہ قول و عمل کا وہ کھیل ہے اور مضحکہ خیز نقاب ہے جس نے ان کے جرم کو ہلکا کرنے کے بجائے اسے سنگین بنا دیا ہے۔

ان کی اس دین نوازی یا دین فرعونیت کی حقیقت صرف اتنی ہے جو قرآن مجید کے یقین و محبت اور الفاظ میں اس طرح بیان کی گئی ہے۔

اذا القول بالین اذنا قالوا امانا واذنا حصلوا الى شیطینہم فتالوا انما معکم انہما جن مستخرفون

عجب وہ ایساں دونوں سے ملے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم بھی انہوں میں ہیں جب اپنے شیطانوں کے پاس ہوتے ہیں، ہتے ہیں انہم انہما جن مستخرفون تو تمہارے ساتھ ہم درہم ان لوگوں کیساتھ مذاق کر رہے

جس طرح ان کی پہلی شخصیت کی تہذیب ہو چکے تھے۔ ان کا کھلا علی کی تہذیب کے لئے وہ بھی اسی طرح شخصیت کے اس حجاب کے لئے بھی ایک جھڈکی ضرورت ہے۔ اور وہ ہی آیت قرآنی ہے: ان کفروا کفرتہم ہی شمالی اور یقینی الہامی اور کافروا المستقبل۔ اور تہذیب و سیاست العریة کے مقدمہ کا ممد اور فلسفہ الثورة۔ اور "الميثاق الوطنى" کی اکا دکا وہی عبارتوں کا طراز یہ کہ کے علماء و مشائخ میں بعض خاص درجہ علم اور نامحاذ تقریروں اور تحقیق الشہود کے بعض فقروں کا مطلب خود بخود ظاہر ہے۔

اس بات کو سمجھنے کیلئے حقیقت میں شمالی اور شمالی الما منی و المستقبل کا وہی ایک اقتباس کا ہے جس میں انھوں نے اپنی اسلام پسندی کا سبب بیان کیا ہے اور جس میں ان کے قول و عمل کا الفاظی یک جہت فرق ہے۔ یہ ایک طویل اقتباس ہے جس میں انہوں نے فرقوں اور ملی اسلام کے قائل کی ترقی و پیشرفت کی

"باقی صفحہ پر"

## آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کے

کاروان شہلی کے آخری مسافر مولانا مسعود علی ندوی بھی ۱۰ اگست ۱۹۵۸ء کو اس دار فانی سے کوچ کر گئے انما للہ وانا الیہ راجعون

اپنی خداداد انتظامی صلاحیتوں سے مولانا نے دارالمصنفین کے مرکز پر پورے کو جسے تقسیم ہند کی یادگار جلا دینے پر تلی ہوئی تھی، ایک سدا بہار و تندرخت بنا دیا جس کے سائے تلے رنگدار علم کے گزرتے تھے۔

مانڈے قافلے نئی سمت نیا دلولہ اور ایک نیا سلیقہ زندگی پاتے رہیں گے۔ ہمارے دارالعلوم کی عالیجناب مسعود دارالمصنفین کی تمام عمارتیں اور شہلی کا کالج کا کونو کمیشن ہال مولانا کے لطیف تر و توفیق تھیں کہ زیادہ سے ہیں، کسی ایک شخصیت میں بیک وقت انعامت پسندی، بیدار فکری، خوش تہذیبی، ذوق عبادت، حسن خلاق، شان خودداری کے ساتھ ساتھ سنی آموز انکار کا اور ظلموں جیسی صفات کا اتنا حسین امتزاج ممکن ہی سے دیکھنے میں آتا ہے مولانا مسعود علی ندوی مرحوم کو جن لوگوں نے جتنا زیادہ دیکھا وہ سب ان کے اتنے ہی قریب ہوتے چلے گئے۔

سیاسی اور سماجی کاموں میں بھی مولانا نے علمی دلچسپی لی لیکن ان کا دامن سیاست کی آلودگیوں سے ہمیشہ پاک و صاف رہا، یہی وجہ ہے کہ اس پر آشوب دور میں بھی مرحوم کے صدر میں جو بہ دلچسپی آئی، وہ اس شہساز کے بڑے بڑے ہمردوں کو بھی نصیب نہیں ہوئی۔ مولانا ایک سرگرم علمی انسان تھے، پچھلے تری مسائل کو عملی حل حل کر دینا ان کا سب سے دلچسپ مشن تھا، ان ہی لوگوں کو ان کی صفات کا بنا پر وہ خود اپنی ذات میں ایک شخص تھے، جن میں جاتے بسیل کی مانند جھکے اور جس محل میں ہوتے تھے محفل کا مرکز بن جاتے۔ جب وہ کسی محفل پر پہنچتے تو ان کے ایک ہاتھ میں علی بیگم کی تصویر ہوتی اور دوسرے ہاتھ میں "قرین حکم" کی دھال اور سر پر بے لوث محبت کا سایہ لہی اور ان کی کامیابی کا راز تھا۔

ع آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کے

# موجودہ حالات میں ملک کے مسلمانوں کی

## ذمہ داریاں اور ان کے فرائض

رامپور کا نفرنس میں حضرت مولانا علی مبارک خطبہ افتتاحیہ

### حضرات!

میں آپ کی عزت افزائی کا شکر گزار ہوں کہ آپ نے اس اہم کانفرنس کے افتتاح کے لئے میرا انتخاب فرمایا، ایک حقیقت پسند انسان کے لئے جو اپنی حقیقت سے نا آشنا اور کسی فریب میں مبتلا نہیں ہے، ان مواقع کی قدر و قیمت صرف اتنی ہی ہے کہ ان کے ذریعہ اس کو اپنے دل کی بات کہنے اور اپنے اصلی خیالات کے اظہار کا ایک ایسی فضا میں موقع ملتا ہے جس میں اس کی بات فہم و سکون اور اکثر اوقات ذوق و اشتیاق کے ساتھ سنی جاتی ہے، مجھے امید کرنی چاہیے کہ یہ پیشکش آپ کی طرف سے کوئی رسمی اعزاز نہیں ہے، بلکہ یہ اعتماد کا اظہار ہے، ہر چیز کی ابتدا بڑی نازک اور اہم ہوتی ہے اور اسکا اثر اس کے پورے سلسلہ پر پڑتا ہے، خدا مجھے اس اعتماد و ذمہ داری کا اہل ثابت فرمائے۔

### حضرات!

آج سے ٹھیک تین سال پہلے جب ہم لکھنؤ میں جمع ہوئے تھے اور مسلم مجلس مشاورت کی بنیاد پڑی تھی تو اس وقت سے بڑا احساس جو پوری فضا اور درود و یار پر چھایا ہوا تھا اور جو حقیقت ہم کو ملک کے کوٹے کوٹے سے پہنچ کر لایا تھا وہ یہ تھا کہ صرف چھ کروڑ مسلمان ہی نہیں، پینتالیس کروڑ انسانوں کا یہ ملک شدید خطرے سے دوچار ہے اور اگر اس کی جلد فزونی نہ کی تو پہلے یہ چھ کروڑ کی ملت جس کو برطانوی سیاست کی اصطلاح میں اقلیت کہا جاتا رہا ہے، تباہ ہوگی پھر چالیس کروڑ انسانوں کا یہ ملک مکمل طور پر تباہ ہو کر رہ جائے گا۔ لیکن بنیاد برائے انسان ہے، اعتماد کی فضا، انسانی جان اور

عزت و آبرو کی بے وقعتی، مردم آزاری و انسان بیزاری، عقل پر جذبات کی حکمرانی، دور اندیشی پر کوتاہ اندیشی کا غلبہ، ملکی مفاد پر ذاتی اغراض کی ترجیح، جذبات کے پیچھے بہہ جانے اور کھوٹے نعروں کے پیچھے دیوار بن جانے کی عادت، ایک ایسا زہر ہے جو بڑی قوم اور ملک کی سستی کا خاتمہ کر دیتا ہے اور اس کو موت کے گھاٹ اتار دیتا ہے۔

جمشید پور، راولپنڈی کے فسادات جن سے سرحدیں پریشان ہو کر ملک کے دردمند مسلمانوں میں سوچے سمجھے والے عہدات اگست ۱۹۴۷ء کو لکھنؤ میں جمع ہوئے تھے، اور انھوں نے مجلس مشاورت کی داروغہ کیل ڈالی تھی۔ ایک ہمارے بہت بڑے کارکن تھے جو اس وقت کے مخصوص حالات و سیاسی بنا پر ایک خاص شکل میں ظاہر ہوا، اس حقیقت کے انکار کی ضرورت ہے، ان اس کے اظہار میں کوئی مشرک کی بات کو اپنی ملت کے غیر محفوظ ہونے کا احساس اس وقت ہم پر غالب تھا۔ خطرے کا احساس کرنا، اگر دو پیش کے واقعات کو صحیح طور پر دیکھنا اور ان سے صحیح نتائج نکالنا، بغیر کسی جارحیت کے اپنی حفاظت کا سامان کرنا، زندگی کی علامت فطرت کا عین تقاضا اور انسان کا عیب نہیں بخوبی اور نہ ہے۔ ایک صحیح و سالم انسانی جسم بھی دن رات اس کا مظاہرہ کرتا رہتا ہے اور اپنی صحیح الفاظ و اعضا سے کسی ملک یا قوم کا اجتماعی وجود مضبوط و مستحکم ہوتا ہے۔

لیکن اس فطری و قدرتی احساس کے ساتھ یہ احساس بھی ہمارے دل و دماغ میں پورے طور پر جاگ رہا ہے، یہ فسادات جن کا رخ خاص اسباب کی بنا پر مسلمانوں کی طرف تھا،

ملک کی اس اندرونی ہماری اور مزاج کے اس رنگ و کار کا نتیجہ ہے جو دیکھنے والوں کو عرصے سے نظر آ رہا تھا، وہ ان فرقہ وارانہ فسادات کے آئینہ میں ملک کی تباہی و بربادی کا ماہر اور وحشت ناک منظر دیکھ رہے تھے، تنگ نظری، مفاد پرستی حد سے بڑھا ہوا احساس بڑی جذبات سے مخلوب ہو جانے، روٹی کی طرح جلد آگ پکالینے اور بارود کی طرح جھگڑا جانے کی صلاحیت کسی ایک میدان میں محدود اور کسی ایک فرقہ کے ساتھ مخصوص نہیں رہ سکتی، نفرت اور افتداری کی برہمی ہوتی ہوں کی آگ جلانے کے لئے ایندھن نہ لے تو وہ خود کو کھانے لگتی ہے۔

### اصل اور بنیادی صداقت

مجلس مشاورت کے رہنماؤں نے اس خطرہ کا صحیح طور پر احساس کیا، اتحاد و اعتماد کی فضا قائم کرنے عزت نفس اور خود اعتمادی کو ذرہ بذر نقصان پہنچانے اور مرعوبیت و احساس کمبری اور شکست خوردگی کے تناظر کے بغیر، غلبہ نہیں اور نلیخیاں دور کرنے کے لئے ملک میں دورے کا پروگرام بنایا۔ وہ انسانیت، محبت، سچائی و وطنی صحیح جمہوریت اور باخ سیاسی شعور کے پیمانہ پر ملک کے بڑے حصے میں گھومے اور ہینڈ آؤٹ میں کا سفر کیا، ان کا ہر جگہ پر محبت پر جوش استقبال ہوا، ہر جگہ فضا پر نہایت خوشگوار اثر پڑا، ان کو اپنے ان دوروں سے اس کا اندازہ ہو گا کہ نفرت و عداوت کی اس تیلخ و تقسیم سے دماغ زیادہ دل کم متاثر ہوتے ہیں۔

ہندوستان کی محبت آشنا سرزمین کی خاک کی تہہ میں محبت کی جینکا ریاں اور انسانیت کا درد ہے۔ صرف پر خلوص کوشش، بے لوث تلخی اور بے غرض قیادت سے ان کو ابھارنے اور فزونی کرنے کی ضرورت ہے، یہ کام وہ جا چکے ہیں کہ سکتے ہیں جو ہر ملک کو سیاسی نقطہ نظر سے دیکھنے، جاننے، نفع و نقصان اور انتخابیت میں ہار جیت کے پیمانے سے ناپنے کی عادی اور پابند ہو چکی ہیں، اور جو بعض اوقات تخریب میں اپنی تہیہ و تفریق میں اپنا اتحاد اور دوسروں کے نقصان اور مصیبت میں اپنا فائدہ اور اپنی ترقی سمجھتی ہیں، اس کے لئے ایک ایسی ہی جامعیت کی ضرورت تھی، جو سیاسی اثرات

و مقاصد اور ذاتی و جماعتی مفادات سے بالاتر ہو کر خدا کی رضا، انسان کی محبت اور ملک و وطن کی حفاظت کی فکر میں یہ کام انجام دے، یہ میدان اب بھی اسی طرح سے بے لوث کارکنوں اور بلند ہمت شہسواروں سے فعال اور اس کا منتظر ہے جیسے آج سے تیس برس پہلے تھا اور آج بھی ملک کی یہی سست بڑی ضرورت ہے، اس کے بغیر ملک کا کوئی مسئلہ بھی حل نہیں ہو سکتا یہ بات حقیقت بن کر سامنے آگئی ہے کہ غلط قیادت فاسد تعلیم و تربیت اور غیر ذمہ دار صحافت نے ہمارے عوام یا مخصوص نوجوانوں کا دماغ اتنا سمسوم کر دیا ہے کہ، ان میں نفرت و عداوت آنگ نظر ہی، ہند اور قصب اور بے جا جوش اور حد سے بڑھا ہوا اشتعال پیدا کر دیا ہے کہ وہ کسی مسئلہ پر سبھی مسئلے دل اور پر سکون دماغ سے غور کرنے کے لئے تیار نہیں، اس کا نتیجہ ہے کہ کوئی سیاسی پارٹی کسی مسئلہ کو سجدگی اور حقیقت پسندی کے ساتھ حل کرنے کے قابل نہیں رہی ہے، وہ اگر کسی اصول کی خاطر کبھی اس کی جرات بھی کرے تو اس کو اگر وہ عوامی پارٹی ہے تو اپنی مقبولیت سے اور اگر برسر حکومت ہے تو اپنے اقتدار سے محروم ہو جانا پڑے گا، اور اپنی فزائی رہنے کے لئے کوئی ایسی پارٹی تیار نہیں ہو سکتی جس کی تربیت اخلاقی اصولوں کے بجائے انتخابی و جمہوری اصولوں اور رویا پر کی گئی ہو، اس کا نتیجہ ہے کہ اس وقت قیادت ہمارے سیاسی رہنماؤں اور آزموہ کار و باخ نظر قائدین کے ہاتھ میں نہیں ہے، ان غیر ذمہ دار لیڈروں کے ہاتھ میں ہے جو عوام یا مخصوص نوجوانوں میں زیادہ اشتعال اور نفرت پیدا کر سکیں، اس وقت ہمارے ملک کی سیاست اور اخبارات کے تبصرے اور تنقیدیں اور ان کی طے شدہ پالیسی پلان ہے اور وہ ملک تباہی کے عمیق فاسک کا کلک کر رہے ہیں، ہر جگہ ہولے جس کی قیادت کہیں سال، باخ نظر اور بے غرض قائدین کے بجائے عوام کے نعرے، نوجوانوں کا جوش اور اخبارات کے زہر میں سمجھے ہوئے مضامین اور موٹی موٹی سرخیاں کر رہی ہیں۔ اس ملک کے لئے ہر بیرونی خطرے سے زیادہ خطرہ اور ہر باطنی مرض سے زیادہ خطرناک یہ صورت حال ہے جس کی اصلاح کے بغیر کسی اقلیت کا

کوئی مسئلہ حل ہو سکتا ہے نہ ملک کی سالمیت کا کوئی منصوبہ پورا ہو سکتا ہے۔

### دوسری ذمہ داریاں

#### حضرات!

اس بنیادی کام کے ساتھ جو ایک محب وطن فرض شناس اور ذمہ دار ہندوستان کی حقیقت سے مجلس مشاورت نے اپنے سامنے رکھا تھا اور جو اس ملک میں ہر مسئلہ کا حل اور ہر کامیابی کی ضمانت ہے، نہیں کی تھی، اس کی ترویج و ترمیم اور اس کی حفاظت و استحکام، سب شان کے مضبوط و استوار ہونے پر موقوف ہے، ہمارے ملی مسائل کا نشیمن خواہ وہ قلمی ہو یا لسانی، خالص یعنی ہو یا سیاسی، اکی شان پر قائم ہے، یہ شان حالات کا اعتدال، مقبولیت پسندی اور باطنی اعتماد ہے، اس لئے وہ چیز جو اس شان کے وجود کو خطرے میں ڈال سکتی ہے، ہمارے لئے بنیادی مسئلہ اور حقیقی خطرہ ہے لیکن ہم اپنے نفس سے غافل و بے پرواہ نہیں ہو سکتے، نہ کسی قیمت پر اس سے دستبردار ہونے کے لئے تیار ہیں کہ وہی ہمارے آرام گاہ اور پناہ گاہ ہے، ہمارا شخص ہمارے تصورات کی دنیا، ہمارا تنگ فضا اور ہمارا آزادانہ پرواز کا وہی منتہی اور مرکز ہے ہندوستان میں مسلمان چھ کروڑ کی تعداد میں بنائے جاتے ہیں، اس کو چھوڑ دیکھئے کہ کبھی انھوں نے اس ملک کی قیادت کی ذمہ داری قبول کی تھی اور انہوں نے ایک عہدہ تک اپنے کو اس کا اہل ثابت کیا تھا، اس کو بھی جانے دیجئے کہ انھوں نے اس ملک کو اپنی ذمہ داری قبول کرنے سے محروم ہونے کے لئے ہر ذمہ داری سے مالا مال کر دیا اور اس کو چار چاند لگائے۔ اس سے بھی قطع نظر کہتے ہیں کہ ان کے ہم نواب اور ہم عقیدہ لوگوں کی برادری ساری دنیا میں پھیلی ہوئی ہے اور وہ مشرق کی اس طوائف نوجوانوں کی ایک عقیدہ کرائی کا فرض انجام دے سکتے ہیں اور ہندوستان کو اپنے قریبی ہمسایوں اور مشرق وسطیٰ کے ملکوں سے مربوط ہونے میں مدد دے سکتے ہیں۔ یہ چھ کروڑ کی عظیم آبادی خود ایک بہت بڑی طاقت اور ایک پیش قیمت دولت ہے، اس کی ہر جوش اس کا اطمینان و اعتماد اور اس کی زندگی کا سکون و

اعتدال خود اس ملک کے لئے بہت مفید اور بہت بڑی ذمہ داری ہے، اس ملک میں بالارادہ اور طارادہ ایسے واقعات پیش آتے ہیں اور مختلف طاقتیں اس طرح کام کرتی رہتی ہیں کہ خود اپنی اہمیت، اپنے ترن اور اپنی فیکلٹی سے بے خبر اور غافل ہو جاتی، اس کا ایک بڑا طبقہ غیر ملکی اقتدار کے دور میں انگریزوں اور انگریز حکومت سے وابستہ رہا اور دوسروں کو بھی یہ سہ کر رہے اور بااقتدار جماعت کے ساتھ اپنی قسمت کو وابستہ سمجھنے کی عادت پڑ گئی، یہاں تک کہ اس ملک کے بہت سے لوگوں کو محسوس ہونے لگا کہ مسلمانوں نے شاید کسی ایک جماعت کے لئے خط غلامی لکھ دیا ہے، وہ انتخابات وہ فیصلے کی اس طاقت سے محروم ہونے لگے جو قدرت کا ایک بیش قیمت عطیہ اور آزاد و صاحب ضمیر انسان کا فطری حق ہے، افراد کے معاملہ میں بھی یہ تصور کہ انھوں نے اپنا دامن سیاسی طور پر کسی کام کے ساتھ باندھ دیا ہے اور وہ اس سے آزاد نہیں ہو سکتے ایک نہایت گھٹیت وہ تصور ہے۔

انسان بڑوں ایک جگہ بیٹھا رہ سکتا ہے اور لوگوں کے پوری پوری زندگی کسی ایک جگہ دو جگہ میں گزار دے گی ہے اور ان کو اس میں کوئی ٹکسٹ نہیں ہوتی، لیکن ایک تندرست اور آزاد انسان سے یہ کہہ دیا جائے کہ وہ کسی صورت سے خود کو فتنے کے لئے اس مکان سے باہر نہیں جاسکتا اور اپنے لئے کسی دوسری جگہ کا انتخاب بھی نہیں کر سکتا ہے تو اس کو یہ محسوس ہونے لگے گا کہ وہ ایک بچہ میں بند ہے اور اس کا دم کھٹنے لگے گا۔ اس بچہ کوڑکی ملت کے لئے اس کی ضرورت تھی کہ وہ اپنی اہمیت اور وزن کا احساس اور تجربہ کرے وہ اپنے انتخابات کے حق اور رد و قبول کے اختیار سے آشنا ہو، یہ بچے خود ایک بڑا مقصد اور عظیم فائدہ تھا جس کے لئے متورنے سے نقصانات اور غلطیوں کو بھی برداشت کیا جاسکتا ہے کسی بچہ کے لئے اپنی طاقت کے اس انکشاف کی خاطر کہ وہ اپنے باوقار آزاد ذہن بن سکتا ہے اور خدا نے اس میں یہ طاقت رکھی ہے، اس کا کرنا اور بعض اوقات چوٹ کھانا بھی برداشت کیا جاتا ہے لیکن اگر وہ اپنی اس طاقت اور اصلیت سے ناواقف ہو گا تو اس سے صحیح طے کی توقع کیا جاسکتا ہے، نہ رہداری کی نہ رہداری کی۔

وہ اسکی تعلیم کرنا اور تہیہ کرنا اور اس میں سیاسی وجود و عمل کے۔

**پچھلے تجربات اور ان کا احتساب**

ہم نے گذشتہ انتخابات میں آزادانہ حصہ لیکر اسی طاقت کا انکشاف اور تجربہ کیا، اس میں ہم سے غلطیاں بھی ہوئیں اور ناسمجریاں بھی، ہم کو ایک شریف اور بہادر انسان اور ایک جری اور حق گو مسلمان کی حیثیت سے ان غلطیوں کا اقرار بھی کرنا چاہیے اور ان ناسمجریوں کا اعتراف بھی، واقعات سے سبق لینے اور تجربات سے سیکھنے کی اہلیت زندہ انسانوں کی خصوصیت ہے، وہ جمادات میں معدوم اور حیوانات میں محدود ہوتی ہے، علم و فہم اور تہذیب و تمدن سب کی زرق و برق ہیں، پیش قدمیوں، ہم جوئی اور جرات مردانہ کارہن منت ہے، جس سے ہرگز سے وقت اور جیسے غیر مستدل اور ناہموار حالات میں یہ فیصلے کئے گئے ان میں غلطیاں ناگزیر تھیں۔

ہندوستان کی سیاسی زندگی میں جو مضامین کا انانیت اور بے اصولی سرایت کر گئی ہے اور جس طرح یہاں ملک کے مفاد پر ذاتی مفاد کو اور ملت کے مسائل پر ذاتی مسئلہ کو ترجیح دینے کا مرض پیدا ہو گیا ہے۔ اس کا یہی منہ پرستہ ہے کہ اخلاقی معاہدوں اور سابقہ وعدوں اور یقین دہانیوں کو بالائے طاق رکھ دیا جائے، اس کا ہمارا کوتاہ نظری کہتے یا ناسمجریاں کہہ سکتے ہیں کہ ہم کو کم سے کم مسلمان امیدواروں سے یہ امید تھی کہ وہ ملت کے وسیع مفاد اور اس کے بنیادی مسئلوں (زبان و تعلیم وغیرہ) پر اس آسانی کے ساتھ اپنے ذاتی مفاد اور کسی جماعت سے وابستگی کو ترجیح دیں گے جیسا کہ تجربے میں آیا۔ ایک حقیقت پسند انسان کی حیثیت سے بھی ہم کو اپنے پورے اور جو مسلمانوں کی حیثیت سے بھی ہم کو اپنے پورے طریق کار کا جائزہ لینا چاہیے۔ گذشتہ تجربات سے نامہ و خاکرا لیا اور عمل تیار کرنا چاہیے جو زیادہ حقیقت پسندی اور باخ نظری پر مبنی ہو۔ مسلمانوں نے اپنے جس اعتماد و تقاضوں کا اظہار کیا ہے کہ ہم بہتر سے بہتر طریق پر ان کے اس ملک میں وزن اور اہمیت کو بحال کرنے اور ان کے کسی مسائل کو حل کرنے کی راہ نکالیں اور وہی راستہ اختیار کریں جو ان کے مفید ہو۔

**دینی اور وطنی ذمہ داریاں**

ہم مسلمان ہندوستان کے ایک حصہ ہیں۔ اس لیے ہمیں اس طرح

اس ملک کے دوسرے ہندو سکھ اور عیسائی باشندوں کے ہم پر اس ملک کی حفاظت، طاقت اور خوشحالی کے ذمہ داری بھی ہے اور اس کی قدرتی ذمہ داریوں اور حقوق کے موافق اور شہری حقوق سے فائدہ اٹھانے کا پورا استحقاق بھی، جہاں تک حقوق کا تعلق ہے ہمیں اپنے دوسرے ہم وطن بھائیوں کے مقابلہ میں کوئی امتیاز اور جبر کا استحقاق حاصل نہیں، ہمیں ایک انصاف پسند، حقیقت شناس اور اسی کے ساتھ حق گو مسلمان کی حیثیت سے نہ جدا گانہ حقوق اور مخصوص مراعات اور امتیاز کا مطالبہ کرنا چاہئے اور دوں گا، دیکھیں حق تلفی، نا انصافی اور امتیاز کی سلوک کو گوارا اور برداشت کروں گا، لیکن جہاں تک ایک انسان کے صحیح راستہ پر چلنے اور چلانے کی ذمہ داری کا تعلق ہے اس بارے میں مسلمانوں کی ذمہ داری دوسرے فرقوں اور آبادی کے دوسرے عناصر سے زیادہ سمجھنا ہوں، ذمہ داری کو زیادہ محسوس کرنا، اپنے ذمہ زیادہ کام لے لینا اور اپنے کو کسی اخلاقی معاملہ میں جو ابدہ سمجھنا اور قرار دے لینا ایک ایسا فضیلہ اور ایک ایسا اقدام ہے جس پر ہمدردی کا موقع ہے شکایت کا کوئی موقع نہیں اس میں اپنے ساتھ زیادتی ہو سکتی ہے دوسرے کے ساتھ حق تلفی اور کوتاہی کا سوال نہیں۔

قرآن مجید میں مسلمانوں کے وجود کی غرض و غایت یہ بیان کی گئی ہے کہ وہ اپنے لئے نہیں ساری نوع انسانی مفاد کے لئے دنیا مینہ آئے ہیں، ان کا کار منصبی بھلائی کا حکم ہے، برائی سے روکنا اور ہر معاملہ میں خدا کی آہنی کو پیش نظر رکھنا اور اس پر یقین کرنا ہے۔

کنتم خیرا ملة اخرجت للناس تا مرون بالمعروف و تنہون عن المنکر و خصوصاً باللہ۔ ان کو خدائی خدمت گار تھی و انصاف کا بے لاگ طرز اور حق و صداقت کا دائمی علم بردار قرار دیا گیا ہے جس کے لئے اپنے پرانے کی تمیز کرنا اور دوست و دشمن میں تفریق کرنا جائز نہیں۔

یا ایہا الذین امنوا کونوا قوامین بالقسط مشہدات للہ ولو علی انفسکم و الوالدین و الاقربیین۔

اے ایمان والو! انصاف کے علم بردار اور

خدائی گواہ بن جاؤ، چاہے تم کو انصاف کا یہ فیصلہ اور گواہی کا یہ فریضہ خود اپنی ذات، اپنے ماں باپ یا اپنے عزیز واقارب کے خلاف انجام دینا پڑے، ان کو یکسر حکم تھا کہ وہ ہر حال میں اپنے بھائی کی مدد کریں، اگر وہ مظلوم ہے تو سپر بن جائیں اور اگر وہ ظالم ہے تو اس کا ہاتھ پکڑ لیں کہ میں اس کی سب سے بڑی مدد ہے۔ ان کو انسانی جان کی قیمت اتنی بتائی گئی اور ایک انسان کی زندگی کے زرخ کو اتنا بڑھا یا گیا ہے کہ کہا گیا ہے کہ جس نے ناحق ایک انسان کی جان لی اس نے پورے نوع انسانی کی قدر و قیمت کا انکار کیا اور پورے انسانی کعبہ کو خاک و خون میں ملا دیا اور جس نے ایک انسان کی جان بچائی اس نے گویا پوری انسانی برادری اور انسانیت کی پوری ساری کی حفاظت کی۔

من قتل نفسا بغير حق فقد قتل الناس جمیعا، و من احیها فصککما حیة۔

وہ صرف اسی بات کے ذمہ دار نہ تھے کہ ان اصولوں اور حقائق پر خود ہی یقین رکھیں اور ان پر کار بند ہوں بلکہ اس کے بھی ذمہ دار ہیں کہ ان کی اپنی تبلیغ و اشاعت کریں، ان کے لئے ایسے سبب اور سرگرم کار ہو جائیں کہ وہ جہاں بھی رہیں وہاں خدائے موقن ہو جائے اور ذہن ان سے نا آشنا اور طبیعتیں ان سے بیگانہ نہ رہیں۔

**احیائیت کے اصول و ضوابط**

یہ صرف ملت کی خدمت اور اپنے مذہبی فریضے کی تکمیل ہی نہیں ملک کی بھی سب سے بڑی خدمت ہے، جس ملک میں انسانی جان آئی انہاں ہو کہ موہوم سیاسی مقاصد، محدود ذاتی اغراض اور عارضی و مشکوک اقتدار کی خاطر سیکڑوں ہزاروں لوگوں کی جان لی جا سکتی ہو، جہاں ایک نعرہ ایک تقریر اور ایک اشتہار پر دیکھتے دیکھتے بیسیوں گھر بے چراغ اور سینکڑوں بچے اور عورتیں لادار ت کی جا سکتی ہوں، وہاں نہ زندگی میں اننگ اور حوصلہ نہ دلوں میں اعتماد، نہ جب الوطنی اور تعمیر و ترقی میں گرجوشی اور نہ زندگی میں سکون و اعتدال پیدا لے انصرا خالت ظالما و مظلوما الخ

ہو سکتا ہے۔ نہ ذہانتیں اور قدرتی صلاحیتیں بڑے کار آسکتی ہیں، نہ کوئی تعمیراتی اور تخلیقی منصوبہ تکمیل کو پہنچ سکتا ہے نہ اس ملک میں سیاسی اور سماجی استحکام پیدا ہو سکتا ہے۔ تنگ نظر اور مفاد پرست، نر زوارانہ تیاری، احمیہ پرستی کے جذبے، غلط تالیف اور غلط تقلید و تربیت، ناخدا تری اور وطن دشمن صحافت پرستی نے جو روزانہ نفرت و عداوت کے زہر کی ایک بڑی مقدار اس ملک کے لاکھوں کروڑوں باشندوں کے دل و دماغ میں آنا دتی رہتی ہے اور جس نے ہر تھیوری کا ایک ہی رخ پیش کرنے کی قسم کھاتی ہے ہمارا نئی نسل کے دماغوں کو اتنا مسموم کر دیا ہے اور اس کو اتنا بے برداشت، غضب ناک اور زرد و رنج بنا دیا ہے اور اس میں مشعل ہو جانے کی ایسی صلاحیت پیدا کر دی ہے کہ سارا ملک بارود کے ایک سرنگ کی طرح ہو گیا ہے جسکو ایک ذرا سے اشارے سے ہر وقت اڑایا جا سکتا ہے۔ زبان رسم الخط، تعلیم ثقافت و تہذیب، جو زندگی میں لطف و مسرت پیدا کرنے کے بہترین ذرائع تھے اور جن سے اس دنیا کی رونمائی جن کا عقلی ترین مقصد اور بہترین مصرف امن و آسائش پیدا کرنا، محبت کے بند یا خشک سوتوں کو پھیلانا اور رواں کرنا تھا، اب انسانی زندگی کے جھلنے ہوئے چراغوں کو گل کرنا، جوڑے ہوئے تعلقات کو توڑنا اور انسانوں کو انسان سے جدا کرنا رہ گیا ہے اور ان کا نام آتے ہی دانش گاہوں کی پرسکون فضاؤں اور دانشور کی جان نواز نعمتوں اور انسانیت کی بلند و رفیع قدروں کی طرف ذہن جانے کے بجائے خاک و خون کے ڈھیروں، میدان جنگ کے جنت خیز مناظر اور فرقہ وارانہ فسادات کے مہیب نتائج کی طرف جانے لگا ہے، ہندوستانی زبان و ادب اور ثقافت کی یہ انتہائی بدقسمتی اور مظلومیت اور ان کے حامیوں اور پرستاروں کی انتہائی ناواقفیت اور اندیشی اور کوتاہ نظری ہے کہ ان کے نام کے ساتھ اپنے شاگردوں اور اداہیوں بالملک، کالیڈاس یا میگیور اور پریم چند کے بجائے سینر و نیرو اور چنگیز خاں کے نام ذہن اور حافظہ میں بھرنے لگیں اور بجائے ملک کی ان شخصیتوں کی یاد تازہ ہونے کے جنہوں نے ملک محمد جالسی اور عبدالرحیم خان خانان و رحیم کی طرح (مذہب کے اختلافات اور اپنے نسلی علوم و عربی و فارسی کے عالم ہونے کے باوجود) ملک کی قدیم زبانوں کو اپنے ذوق و اختیار

سے اپنے اظہار خیال اور اظہار کمال کا ذریعہ بنایا۔ اور ان میں نام پیدا کیا۔ غالب و مکتوب اور نثار و مفتوح کا تصور آنے لگے، یہ سب نفرت کے اس زہر اور اپنی نسل، اپنی تہذیب، اپنی زبان اور اپنے کچھ کے بارہ میں حد سے بڑھے جوئے احساس برتری کا نتیجہ ہے، جس نے کبھی کسی ملک میں..... نسلی کشم

(ENOSIDE) کی شکل اختیار کی اور کبھی عالمگیر جنگوں کی شکل میں نمودار ہوا۔ کوہ آتش آسمانی وقت خطر ناک نہیں ہے جب وہ پھٹے اور اس کا لادہ قریب و دور کی بستیوں کو تباہ کر دے محض اس کا وجود اور اس میں آتش کی زیادہ کی پرورش اور نشوونما بھی خطر ناک ہے

**اخلاقی انحطاط**

دوسری طرف اس ملک کا اخلاقی انحطاط اپنے آخری نقطہ کو پہنچ گیا ہے، دولت پیدا کرنے کے جذبے نے اور تھوڑے سے تھوڑے وقت میں زیادہ سے زیادہ کمائیے کے شوق نے جنون کی شکل اور مرثام کی کیفیت اختیار کر لی ہے اور سب پر دولت کمانے اور زیادہ سے زیادہ منفعت حاصل کرنے کا بھوت سوار ہو گیا ہے، یہ جذبہ ملک کے ہر مفاد اور ہر ملکی و سیاسی مصلحت سے بے پڑا و بے نیاز ہے، وہ مذہب و اخلاقیات، شرافت و حقوقیت، شہریت اور آجین سب کے حدود و چھلگ گیا ہے۔ ایشیا کے موجودہ بڑے بڑے نرج، غلبہ کی گرائی، ضروریات زندگی کی نالیابی، سب کی تہہ میں ہمارے ملک کا بھی اخلاقی دیوالیہ پن کا کام کر رہا ہے جو کبھی چور بازاری کی شکل میں کبھی ذخیرہ اندوزی کی صورت میں اور کبھی رشوت، خجانت، عین اور کام چوری کے قالب میں نمودار ہوتا ہے اور جس نے ہمارا پوری شہری زندگی کو بجائے راحت و صحت اور مشکلات، پریشانی و سرگرائی کا ایک لائق نامی سلسلہ بنا دیا ہے۔ ہر شے میں سخت نظمی اور ہر شے میں سخت انتہی، ہر شے پر لانا و نیت کا دور دورہ ہے اور رشوت ستانی کی گرم بازاری ہے، انتہا یہ ہے کہ لوگ عاجز آ کر اندیشوں کے دور کی باقاعدہ اور زندگی کی سہولتوں کو یاد کرنے لگے ہیں، یہ کسی ملک کے لئے تنگ و عار کا آخری درجہ اور صاحب اقتدار جماعت کی ناکامی اور نااہلی کی آخری دلیل ہے کہ لوگ بڑی حکمرانوں اور ملک کی عزت

کو خاک میں ملانے والوں کو یاد کرنے لگیں، اس صورت حال کے خلاف بھی ہمیں منظم کوششیں اور کوئی اخلاقی مہم نہیں چل رہی ہے، مسلمانان ہند اور مشکلات میں برابر کے حصہ دار ہونے کی حیثیت سے بھی اور ان ذمہ داریوں کی بنا پر بھی جن کو بھول کرنے کی وجہ سے ان کو خیر امت کا لقب دیا گیا ہے اپنے امکانی حد تک اس بگاڑ کو روکنے اور معاشرہ میں اخلاقی جس میں پیدا کرنے کے ذمہ دار ہیں، اور اگر وہ اس فرض میں کوتاہی کریں گے تو وہ دنیا کی لگا ہوں میں بھی ستمگر اور خدائی عدالت میں بھی مجرم قرار پائیں گے۔

مسلم مجلس شاورت نے اس کو بھی اپنے مقاصد میں شامل کیا تھا اور اس کام کا بھی بڑھ اٹھا یا تھا روز بروز اس کی ضرورت شدید ہوتی جا رہی ہے آحضرت علی المرتضیٰ علیہ السلام نے معاشرہ کے افراد کو ایک نئی کے سواروں سے تشبیہ دی ہے، جس میں لیست حال کمینوں اور مردہ احوال بالانشانیوں کی کوئی تفریق نہیں، اگر ان کشتی میں کسی مسافر کی نجات اندیشی سوراخ کر دے اور پانی آنے لگے تو پھر اس کشتی کا کوئی مسافر بچ نہیں سکتا، اور وہ کسی ڈوبے گا تو سب ڈوبیں گے، ہم سب ایک کشتی کے مسافر ہیں لیکن اس سوراخ کے بند کرنے کی ذمہ داری ہمارا حبل لوطی اور حقیقت پسندی کا بھی تقاضا ہے اور ہمارے اس منصب و اعتبار اور فلاح انسانیت کی فکر کا بھی جو ہمارے مذہب نے ہم پر عاید کیا ہے۔

**خلاصہ کلام**

اور ملک کی خدمت میں قطعاً کوئی تضاد نہیں، بلکہ ان میں ہر ایک دوسرے کی معاون ہے، ملک کے استحکام، امن و امان اور حالات کے استقرار و اعتدال کے بغیر آبادی کا کوئی عنصر اور کوئی بڑے سے بڑا فرقہ بھی اپنے عقائد، تہذیبی اور ثقافتی تسلسل کو قائم نہیں رکھ سکتا اور اپنی خصوصیات اور صدیوں کے علمی و ادبی ذخیرے کو دوسری نسل کی طرف منتقل کر سکتا ہے جہاں اپنی جان اور اپنی عزت اور ابرو کے بجائے ہر ایک مسک ہو وہاں زبان اور ثقافت کے بجائے کو کون سوچ سکتا ہے اور کس کو اس کی فرصت ہو سکتی ہے اس پر اتنی بڑی محنت جو ضرورت کر دوں کی تعداد میں ہے بلکہ انسانی طاقتوں اور قدرت کے غلطوں سے آلا مال ہے غیر مطمئن اور مضطرب ہو، مایوس و دل شکستہ

بے روزگاری و پریشان حالی کا شکار ہو بار بار  
فسادات کی زد میں آتی ہو تو وہ ملک مضبوط  
رہ سکتا ہے نہ دنیا میں عزت و اعتماد حاصل  
کر سکتا ہے اس لئے دونوں مسئلے ایک دوسرے  
سے جڑے ہوئے ہیں، ملت کی حفاظت، ملک کی  
خدمت ہے اور ملک کی خدمت اور استحکام میں  
میں ملت کی حفاظت کا راز مضمر ہے۔

اس لئے ہم دو کشتیوں کے مسافر نہیں ایک  
ہی کشتی کے مسافر ہیں، البتہ وہ کشتی اتنی چھوٹی اور  
ٹینک طرف نہیں کہ جو ایک یا چند فرقوں کو جگہ سے  
اور ایک فرقہ کو جگہ سے لے آیا اس میں ایک قہری  
مسک کی گنجائش ہو اور دوسرے قہری مسک کی گنجائش  
نہ ہو۔ ہم کو ملک و ملت دونوں زبردستی حقیقیوں میں سے  
کسی حقیقت سے آنکھیں نہیں بند کرنی چاہئے۔ البتہ  
ہماری داعیانہ حیثیت، ہماری بے لوث اور خدائش  
فطرت اور ہمارا وہ فرض منصبی جس کی بنا پر ہم کو غیر  
امت کا لقب ملے، اس پر غالب رہنا چاہئے۔

اس سوڈیاں کی دنیا میں اس نادر خاندان سیاست  
میں ہماری اہول پندگی، ہمارا اخلاقی کردار اور ہمارا  
ایمانی شمارب پر غالب رہنا چاہئے۔ ہمیں انسانی  
پارٹوں کی پست سطح پر کبھی نہیں آنا چاہئے جو وہ  
کی تخریب میں اپنی تعمیر اور دوسروں کی بربادی میں اپنی  
ترقی کا خواب دیکھتی ہیں، اور جن کا منہ ہائے نظر  
حکومت کی کرسیوں کے سوا کچھ نہیں، ہیں اس ملک  
کے بارے میں بھی اور اس ملت کے بارے میں بھی  
اپنا وہن تعمیر کرنا چاہئے۔

خاص طور پر ہماری ملت ایک ہمہ گیر قہری  
مضبوطی کی سخت ضرورت مند ہے، دینی و اخلاقی  
اور مادی و معاشرتی ہر لحاظ سے وہ پستی کا آخری  
حد تک پہنچ گئی ہے، اگر اس کی جلد خبر نہ لی گئی تو  
وہ دن دور نہیں ہے اور اس کے آثار صاف نظر آنے  
لگے ہیں کہ وہ ہندوستان کی دوسری سیمانہ اقوم  
(شودروں) کی صف میں شامل ہو جائے گی، لیکن یہ  
کام دولت اور وقت کے ایثار و منتہائی کے بغیر  
انجام نہیں پاسکتا۔ میں انتہائی مجبور ہوں اور کہنے  
اذیت کے انتہائی احساس کے ساتھ عرض کرتا ہوں  
کہ ہماری ملت میں جس کا عقدہ اور شمار تھا کہ  
دولت کا اصل مالک اللہ تعالیٰ اور مسلمان اس کا  
نائب اور امین ہے۔ اور ملت اس کی مستحق اور  
حقدار ہے۔

وانفقوا مما جعلکم مستغنیين  
فیہ۔ اور خرچ کرو (اللہ کی راہ میں) اس  
میں سے جس میں اللہ نے تم کو اپنا جائزین بنایا ہے  
والتوهم من مال اللہ الیٰہی  
اتاکم۔ ان مسلمانوں کو اللہ کے اس میں سے  
دو جو اس نے تم کو دیا ہے۔ تارون والادہ ذہن  
پیدا ہو رہا ہے جس نے راہ خدا میں حشر  
کرنے سے یہ کہہ کر حضرت کردی تھی کہ (۱) استما  
اور تبتہ علیٰ علیہ عندی  
یہ تو میری دولت ہے جو میں نے اپنے ہنر اور قابلیت  
سے پیدا کی ہے۔

یہ خطرناک ذہنیت اور قانونی نفسیات  
و مزاج ہمیشہ وہی نتائج پیدا کرے گا جو قرآن  
میں بیان کئے گئے ہیں، یہ تارون صفت انسان  
خود بھی ڈوبے گا اور اپنے ساتھ اپنے گرد و پیش  
اور اپنے ماحول کو بھی لے ڈوبے گا۔  
(مفسر غنابہ و بعد ۱۸۷۱ء کا رخصت)۔  
"پس ہم نے تارون اور اس کے گھر کو زمین  
میں دھنسا دیا۔" افراد کی قسمت ملت کی قسمت سے  
وابستہ ہے، جس طرح موجوں کی زندگی دریائے

ہم کو اپنا اپنا فرض ادا کرنا ہے، جو جس محاذ  
پر کھڑا ہے اور جس کو اللہ نے جو صلاحیت عطا  
فرمائی ہے اس کو ملت کے کام میں لگانا ہے،  
پھر خدا کی نعمت و رحمت کی تکمیل فرمادے گی۔ اور ہماری  
پوری دستگیری فرمائے گی۔ ان نصوص اللہ بنصو کہ  
دیتب اقدامکم ویزدکم قوۃ الیٰ قوتکم  
الوالحسن علی

## دارالعلوم خلیلیہ ٹونک میں تہمتی تقریب

۱۳ جولائی ۱۹۹۷ء کا دن دارالعلوم خلیلیہ ٹونک کی تاریخ میں اس اعتبار سے ہمیشہ یادگار اور تاریخی  
دن کی حیثیت رکھے گا کہ اس دن اس کے ایک نایاب خزانہ اور مقبول و ہر دارالعلوم کی فاضل اساتذہ مولانا  
سید منظور الحسن برکاتی کو سلسلہ سرفرازی خطاب و خلعت اساتذہ دارالعلوم کی جانب سے ایک پرنکٹف  
صاحبہ دیا گیا جس میں دارالعلوم کے اساتذہ اور طلبہ کے علاوہ شہر کے معزز اہل علم اور ارباب ادب  
بھی شریک تھے۔

مولانا سید منظور الحسن برکاتی نہ صرف دارالعلوم خلیلیہ کے مدرس کی حیثیت سے ممتاز و متعارف ہیں بلکہ وہ اپنے اعلیٰ  
اخلاق حسین کردار اور اپنی علمی ادبی خدمات کے اعتبار سے بھی ہندوستان میں ایک خاص مقام و مرتبہ رکھتے ہیں۔  
متعدد کتابوں کے مصنف ہیں ان کے تحقیقی، تاریخی و ادبی مضامین آئے دن ملک کے مقتدر و موثر رسائل میں شائع  
ہوتے رہتے ہیں۔ ابھی جون میں آپ نے اعلیٰ حضرت عزیز الدولہ نواب محمد ہاشم علی خان صاحب بہادر تاج  
پربائیس ٹونک کے نعتیہ کلام کا ایک منتخب مجموعہ مرتب کر کے "تاجدار صدیقینہ" کے نام سے شائع کیا ہے  
جس پر ایک بہت ہی جامع خطوں اور پر از ملامت مقدمہ بھی قلم بند فرمایا ہے۔ نواب صاحب ٹونک سے  
آجکی ان علمی خدمات کے اعتراف میں ۷ جون ۱۹۹۷ء کو "جشن اسامی مجالس میلاد النبیؐ کی تقریب میں تاج الادب  
فیض الملک کے موثر خطاب اور ایک بیش بہا خلعت سے سرفراز فرمایا۔

دارالعلوم کا یہ تہمتی جلسہ اور صاحبہ اس اعزاز پر اظہار مبارکباد و مسرت کی غرض سے منعقد کیا گیا تھا صدر ٹونک  
کے ہر وزیر چیرمین میونسپل بورڈ اور اعلیٰ حضرت نواب صاحب کے پراپیٹی سکریٹری جناب مرزا رفیع اللہ بیگ صاحب  
نے فرمائی یہ جلسہ مہمانوں کے شکر و تحسین کا ایک

# مسئلہ روز ہنگامہ

تجوین مجلس تحقیقات شرعیہ ہند  
ایک تبصروں

اسلام کی سبھی ضرورت ہیں ہے۔  
(۳) ہمارا تقاضا یہ ہے کہ مقامی حد تک ریڈیو  
کی خبر کو اعلان یا خبر مستفیض کی حیثیت دی جاتی  
ہے، دھلی، کلکتہ یا بمبئی جیسے شہر جو کئی کئی سو  
مربع میل میں پھیلے ہوئے ہیں ان شہروں کی کمیٹیوں  
کے فیصلے اگر ریڈیو سے شائع کئے جائیں تو شہر کی حدود  
تک تکمیل کر کے جاتے ہیں لیکن دوسرے مقامات تک  
یہ علامت کوئی حیثیت نہیں رکھتی کیونکہ وہاں کے لئے  
وہاں کی مقامی کمیٹی کے فیصلے کی ضرورت ہے جس کیلئے  
شہادت جیسا ہونی چاہئے یا خبر مستفیض۔

(۴) ان شہروں کی مقامی کمیٹیاں صرف مقامی  
ہیں اگر کوئی کمیٹی ایسی ہو جو پورے ملک کی نمائندگی  
کرتی ہو اور اس کا فیصلہ پورے ملک کے لئے تسلیم کیا  
جائے تو اس کے فیصلے کی اشاعت جو ریڈیو سے ہوگی  
وہ علامت کی حیثیت رکھے گی اور جس طرح مشلا  
دہلی کے گوشہ گوشہ میں دہلی کی کمیٹی کے فیصلے پر عمل  
کیا جاتا ہے، پورے ملک میں اس کمیٹی کے فیصلے  
پر عمل کیا جائے گا یا اس وقت بھی ہر مقام کے لئے مقامی  
کمیٹی کے فیصلے کی ضرورت ہوگی۔

(۵) کیا یہ ممکن ہے کہ ریڈیو کی خبر کو خبر مستفیض  
کی حیثیت دی جائے اس وقت یہ تو ضروری ہوگا کہ خبر  
مستند ہو یعنی ہر خبر میں صراحت کی گئی ہو کہ چاند چاند  
کا فیصلہ کس نے کیا اور کس طرح کیا، لیکن یہ ضروری نہیں  
ہوگا کہ مقامی کمیٹی فیصلہ صادر کرے بلکہ بقول —  
شخص الامر رخصتی وی فیصلہ جو اس مقام پر ہوا ہے  
جہاں کی اطلاع دیا جا رہا ہے وہی یہاں بھی نافذ  
ہو جائے گا۔ (در مختار)

مجلس تحقیقات شرعیہ ندوۃ العلماء کھنولے  
ایک سو انار مرتب کر کے حضرات علماء کے پاس بھیجا۔  
ہندوستان و پاکستان کے وہ علماء کرام اور علمی علما  
نے اس کے جوابات مجلس کے پاس بھیجے ۳۴ مئی ۱۹۹۷ء  
کو مجلس کا اجتماع کھنولے میں ہوا، جن میں صدر جو ذیل  
حضرات نے شرکت کی۔

مولانا سید ابوالحسن علی صاحب ندوی، مولانا  
میں الدین احمد صاحب ندوی، مولانا محمد ظفر الدین  
صاحب، مولانا محمد منظور صاحب عثمانی، مولانا  
عون احمد صاحب تادرا، مولانا اوسین صاحب کاکا  
مولانا عمران خان صاحب ندوی، مولانا سید امجد  
صاحب ندوی، مولانا عتیق الرحمن صاحب  
عثمانی، مولانا محمد اسحاق صاحب ندوی۔

سے شائع ہونے والی خبر پر رشتہ الگانہ کو رہ کے  
ساتھ عمل کیا جاسکتا ہے ایسے ہی پاکستان کے کئی ریڈیو  
اسٹیشن سے شائع ہونے والی خبر پر بھی عمل کیا جاسکتا  
ہے اور یہ کہ تمام دنیا کے لحاظ سے اختلاف ممالک کا  
اعتبار ہو یا نہ ہو جہاں تک ہندوستان و پاکستان  
کی حدود ہیں ان میں اختلاف ممالک کا اعتبار نہیں  
ہے۔

جمیۃ العلماء کا فیصلہ ۱۶ سال کے عمر میں بارہا  
شائع ہوا ہے۔ اس پر بحث و تمحیص اور جرح و  
تفنید بھی ہوتی رہی ہے لیکن چند سوالات ایسے ہیں  
جن کے جواب اس فیصلے سے معلوم نہیں ہوتے، یہ سوالات  
نقشہ ہیں اور صحیح جوابات کے لئے مضطرب ہیں مثلاً  
یہ سوال:

(۱) اگر ہندو پاک کی حدود تک اختلاف ممالک  
کا اعتبار نہیں ہے تو کیا کسی اور ملک کے لحاظ سے اعتبار  
ہوگا، اگر ہوگا تو کب، کس فاصلہ پر اور کیا اس کے  
لئے کوئی ضابطہ ہے؟

(۲) ریڈیو کی خبر کو خبر کی حیثیت دیا جائے یا  
یا اعلان کی یا علامت کی خبر کی حیثیت دیا جاتی ہے  
تو اس پر فیصلہ درست نہیں ہے تا وقتیکہ خبر مستفیض  
نہ ہو اور اگر اعلان یا علامت کی حیثیت دیا جاتی  
ہے تو اسلام و عقائد اور عقین کی مشرطیں بے عمل  
ہیں کیونکہ علامت کے لئے اسلام و عقائد کو کیا  
ذمہ اور انسان ہونے کی بھی ضرورت نہیں ہے  
گھنٹے کی آواز، توپ کا گولہ یا مینار کا روشنی،  
علامتیں ہیں اور اعلان کرنے والا اگر یہ انسان ہوگا  
مگر علامت کے لئے قنارت ۱۰ عقائد اور عقین کی

۱۶ سال ہو گئے ۱۸، ۱۹ اگست ۱۹۹۷ء کو جمعہ  
ہند نے اجلاس مراد آباد میں جس کو اکابر علماء خصوصاً  
حضرت علامہ مولانا کفایت اللہ صاحب مہتمی اعظم ہند  
اور شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی  
رحمہما اللہ کی شرکت کا شرف حاصل ہے۔

رویت ہلال کے سلسلے میں یہ متفقہ فیصلہ صادر  
فرمایا تھا، — اگر ریڈیو کے ذریعہ آنے والی خبر  
کے متعلق یہ اطمینان ہو جائے کہ جس جگہ سے ریڈیو  
کی خبر دیا جا رہی ہے وہاں کے علماء نے چاند ہونے  
کی باقاعدہ شہادت لے کر چاند ہونے کا حکم دے  
دیا ہے۔ خبر دینے والا بھی متین ہو کہ کوئی مسلم مستند خبر  
دیتا ہو تو اس اعلان پر اکتفا کر کے دوسرے مقامات  
میں بھی چاند ہونے کے حکم پر عمل کیا جانا جائز ہے  
اور تمام ہندوستان کے شہروں اور قصبوں میں متین  
و ہمدار جماعت اس کے موافق حکم کریں تو ان پر  
عمل کیا جائے یہ حکم تمام ہندوستان و پاکستان کے  
لئے ہے (انتہی)

اس فیصلے نے یہ بات واضح کر دی تھی کہ ریڈیو  
کی خبر کو مجہول قرار دے کر نظر انداز نہیں کیا جاسکتا  
وہ ایک قابل التفات خبر ہے اور اگر (۱) خبر دینے  
والا شخص متین ہو (۲) وہ مسلم مستند ہو (۳) اس  
تفریح کے ساتھ خبر دے کہ جہاں سے خبر دے رہا ہے  
وہاں کے علماء نے باقاعدہ شہادت لے کر چاند ہونے  
کا حکم کیا ہے تو مقامی ذمہ دار جماعت اس کے موافق  
فیصلہ کر سکتی ہے اس مقام کے مسلمانوں کو اس کمیٹی کے  
فیصلے پر عمل کرنا چاہئے اس کے علاوہ فیصلہ کی تصریح  
یہ بھی ہے کہ جس طرح ہندوستان کے کئی ریڈیو اسٹیشن

اس مجلس نے اپنے غور و فکر کے نتیجے میں ۱۴/۱۲/۱۹۷۹ء (۱۲ دسمبر) میں بیان کیا ہے، جمعیت العلماء کے فتویٰ میں جو باتیں واضح کی گئی تھیں، وہ باتیں بطور اصول مسلمہ ان کی تائید کرتی ہیں۔ مگر جمعیت العلماء کے فتویٰ پر یہ سوالات وارد ہوتے تھے ان میں سے صرف پہلے دو مطالع سے متعلق ہوتے تو ایک مراحت کی گئی ہے، باقی سوالات پر بھی تشدد رہ گئے ہیں۔ مطالع کے بارے میں مجلس تحقیقات کا فیصلہ یہ ہے کہ بلاد بعیدہ میں اختلاف مطالع معتبر ہے اور بلاد بعیدہ سے مراد وہ ہے کہ ان میں باہم اس قدر دوری واقع ہو کہ عادتاً ان کی رویت میں ایک دن کا فرق ہوتا ہے۔ (دفعہ ۷-۶)

دفعہ ۸- میں کہا گیا ہے کہ مجلس اس سلسلے میں ایک ایسے چارٹ کی ضرورت سمجھتی ہے جس سے معلوم ہو جائے کہ مطالع کتنی مستحکم ہے اور کتنی ملکوں کا مطالع ایک ہے۔ مجلس تحقیقات نے ہندو پاک کے مطالع کو ایک قرار دے دیا ہے۔

دفعہ ۹- البتہ دفعہ ۶ میں کہا گیا ہے کہ اگر یہ صورت ہو کہ مختلف شہروں کے ریڈیو ٹرانسمیٹرز میں ایک ہی چارٹ کا مطالع سے علاوہ ہے۔ تحقیقات نے غیر مستحکم قرار دیا ہے، مطالع کے علاوہ ریڈیو کی خبر کے متعلق جو تعداد جمعیت العلماء کی تجویز میں معلوم ہو رہا ہے مجلس تحقیقات اس تعداد کو رد نہیں کر سکی، بلکہ دفعہ ۸، ۱۰ کو مل کر پڑھا جائے تو یہ تعداد کچھ زیادہ سمجھ کر سامنے آجاتا ہے۔ دفعہ ۸ میں تصریح ہے کہ ریڈیو سے رویت ہلال کا اعلان شہرہ شہادت نہیں ہے اس تصریح کے بموجب اس خبر کی تصدیق کے لئے شہادت یا استنفاذی ضرورت ہے مگر دفعہ ۱۱ میں اس خبر کو اعلان کی حیثیت دیا گیا ہے اور اعلان کرنے والے کیلئے اسلام کی شرط بھی نہیں لگائی بلکہ غیر مسلم ملازم کے اعلان کو بھی قابل اعتبار سمجھا ہے، صرف ایک شرط برقرار رکھی گئی ہے کہ یہ خبر کسی ذمہ دار ہلال کیٹیج یا جماعت علماء یا قاضی شریعت و شہرہ تمام کے فیصلہ کا اعلان کرے۔

راقم المحروف کے خیال میں مجلس تحقیقات کی تقریر کے ان نمبروں (۱ تا ۱۰) کی مختصر اور واضح تفسیر یہ ہے کہ — ریڈیو کی خبر اعلان کا درجہ رکھتی ہے، اعلان کرنے والے کے لئے تدبیر یا اسلام کی شرط نہیں ہوتی، البتہ یہ ضروری ہے کہ خبر میں یہ تصریح ہو کہ ذمہ دار کیٹیج یا علماء ریڈیو قاضی شریعت نے رویت ہلال کا فیصلہ کیا ہے اگر خبر محل ہو کہ فلاں شہر میں چاند دیکھا گیا، یا کل عید منافی جائے گی تو اس کا اعتبار نہیں ہے۔ راقم المحروف نے اس مضمون کے (۱۵) میں لکھا ہے کہ منافی طور پر ریڈیو کی خبر کو اعلان یا علامت کی حیثیت دیا جاتی ہے لیکن سوال یہ ہے کہ دو سے کہہ کر مقام پر اس کو کیا حیثیت دیا جائے گی، اگر یہ کیٹیج ایسی حیثیت رکھتی ہے کہ اس کا فیصلہ دو سے کہہ کر مقام میں بھی نافذ ہوتا ہے تو کیٹیج کیٹیج یا علامت کیٹیج یا علامت کی حیثیت دیا جاتی ہے لیکن سوال یہ ہے کہ دو سے کہہ کر مقام پر اس کو کیا حیثیت دیا جائے گی، اگر یہ کیٹیج ایسی حیثیت رکھتی ہے کہ اس کا فیصلہ دو سے کہہ کر مقام میں بھی نافذ ہوتا ہے تو کیٹیج کیٹیج یا علامت کیٹیج یا علامت کی حیثیت دیا جاتی ہے۔

میں نافذ ہوتا چاہیے، وہاں اس فیصلہ کی اطلاع ریڈیو سے دیا جائے تو وہ اعلان کی حیثیت رکھنے لگی مگر پاکستان کی مرکزی کمیٹی ہندوستان کی نمائندگی نہیں کرتی لیکن یہاں بھی اگر کوئی مرکزی کمیٹی بنا دی جائے تو اس کا فیصلہ پورے ملک کے لئے ہوگا اور ریڈیو سے اس کے فیصلہ کا اعلان ڈھنڈا درچی کے عید منافی جائے گی تو اس کا اعتبار نہیں ہے۔

راقم المحروف نے اس مضمون کے (۱۵) میں لکھا ہے کہ منافی طور پر ریڈیو کی خبر کو اعلان یا علامت کی حیثیت دیا جاتی ہے لیکن سوال یہ ہے کہ دو سے کہہ کر مقام پر اس کو کیا حیثیت دیا جائے گی، اگر یہ کیٹیج ایسی حیثیت رکھتی ہے کہ اس کا فیصلہ دو سے کہہ کر مقام میں بھی نافذ ہوتا ہے تو کیٹیج کیٹیج یا علامت کیٹیج یا علامت کی حیثیت دیا جاتی ہے۔

اس حق میں تو یہ اعلان لامحالہ ایک خبر ہی ہے اور جب تک استغاثہ یا شہادت نہ ہو صرف خبر پر فیصلہ نہیں کیا جاسکتا۔ مجلس تحقیقات نے اس میں حلیان انگیز کر دیا ہے۔ اگر یہ صورت ہو کہ مختلف شہروں کے ریڈیو ٹرانسمیٹرز میں ایک ہی چارٹ کا مطالع سے علاوہ ہے۔ تحقیقات نے غیر مستحکم قرار دیا ہے، مطالع کے علاوہ ریڈیو کی خبر کے متعلق جو تعداد جمعیت العلماء کی تجویز میں معلوم ہو رہا ہے مجلس تحقیقات اس تعداد کو رد نہیں کر سکی، بلکہ دفعہ ۸، ۱۰ کو مل کر پڑھا جائے تو یہ تعداد کچھ زیادہ سمجھ کر سامنے آجاتا ہے۔ دفعہ ۸ میں تصریح ہے کہ ریڈیو سے رویت ہلال کا اعلان شہرہ شہادت نہیں ہے اس تصریح کے بموجب اس خبر کی تصدیق کے لئے شہادت یا استنفاذی ضرورت ہے مگر دفعہ ۱۱ میں اس خبر کو اعلان کی حیثیت دیا گیا ہے اور اعلان کرنے والے کیلئے اسلام کی شرط بھی نہیں لگائی بلکہ غیر مسلم ملازم کے اعلان کو بھی قابل اعتبار سمجھا ہے، صرف ایک شرط برقرار رکھی گئی ہے کہ یہ خبر کسی ذمہ دار ہلال کیٹیج یا جماعت علماء یا قاضی شریعت و شہرہ تمام کے فیصلہ کا اعلان کرے۔

راقم المحروف کے خیال میں مجلس تحقیقات کی تقریر کے ان نمبروں (۱ تا ۱۰) کی مختصر اور واضح تفسیر یہ ہے کہ — ریڈیو کی خبر اعلان کا درجہ رکھتی ہے، اعلان کرنے والے کے لئے تدبیر یا اسلام کی شرط نہیں ہوتی، البتہ یہ ضروری ہے کہ خبر میں یہ تصریح ہو کہ ذمہ دار کیٹیج یا علماء ریڈیو قاضی شریعت نے رویت ہلال کا فیصلہ کیا ہے اگر خبر محل ہو کہ فلاں شہر میں چاند دیکھا گیا، یا کل عید منافی جائے گی تو اس کا اعتبار نہیں ہے۔ راقم المحروف نے اس مضمون کے (۱۵) میں لکھا ہے کہ منافی طور پر ریڈیو کی خبر کو اعلان یا علامت کیٹیج یا علامت کی حیثیت دیا جاتی ہے لیکن سوال یہ ہے کہ دو سے کہہ کر مقام پر اس کو کیا حیثیت دیا جائے گی، اگر یہ کیٹیج ایسی حیثیت رکھتی ہے کہ اس کا فیصلہ دو سے کہہ کر مقام میں بھی نافذ ہوتا ہے تو کیٹیج کیٹیج یا علامت کیٹیج یا علامت کی حیثیت دیا جاتی ہے۔

میں نافذ ہوتا چاہیے، وہاں اس فیصلہ کی اطلاع ریڈیو سے دیا جائے تو وہ اعلان کی حیثیت رکھنے لگی مگر پاکستان کی مرکزی کمیٹی ہندوستان کی نمائندگی نہیں کرتی لیکن یہاں بھی اگر کوئی مرکزی کمیٹی بنا دی جائے تو اس کا فیصلہ پورے ملک کے لئے ہوگا اور ریڈیو سے اس کے فیصلہ کا اعلان ڈھنڈا درچی کے عید منافی جائے گی تو اس کا اعتبار نہیں ہے۔

راقم المحروف نے اس مضمون کے (۱۵) میں لکھا ہے کہ منافی طور پر ریڈیو کی خبر کو اعلان یا علامت کی حیثیت دیا جاتی ہے لیکن سوال یہ ہے کہ دو سے کہہ کر مقام پر اس کو کیا حیثیت دیا جائے گی، اگر یہ کیٹیج ایسی حیثیت رکھتی ہے کہ اس کا فیصلہ دو سے کہہ کر مقام میں بھی نافذ ہوتا ہے تو کیٹیج کیٹیج یا علامت کیٹیج یا علامت کی حیثیت دیا جاتی ہے۔

اس حق میں تو یہ اعلان لامحالہ ایک خبر ہی ہے اور جب تک استغاثہ یا شہادت نہ ہو صرف خبر پر فیصلہ نہیں کیا جاسکتا۔ مجلس تحقیقات نے اس میں حلیان انگیز کر دیا ہے۔ اگر یہ صورت ہو کہ مختلف شہروں کے ریڈیو ٹرانسمیٹرز میں ایک ہی چارٹ کا مطالع سے علاوہ ہے۔ تحقیقات نے غیر مستحکم قرار دیا ہے، مطالع کے علاوہ ریڈیو کی خبر کے متعلق جو تعداد جمعیت العلماء کی تجویز میں معلوم ہو رہا ہے مجلس تحقیقات اس تعداد کو رد نہیں کر سکی، بلکہ دفعہ ۸، ۱۰ کو مل کر پڑھا جائے تو یہ تعداد کچھ زیادہ سمجھ کر سامنے آجاتا ہے۔ دفعہ ۸ میں تصریح ہے کہ ریڈیو سے رویت ہلال کا اعلان شہرہ شہادت نہیں ہے اس تصریح کے بموجب اس خبر کی تصدیق کے لئے شہادت یا استنفاذی ضرورت ہے مگر دفعہ ۱۱ میں اس خبر کو اعلان کی حیثیت دیا گیا ہے اور اعلان کرنے والے کیلئے اسلام کی شرط بھی نہیں لگائی بلکہ غیر مسلم ملازم کے اعلان کو بھی قابل اعتبار سمجھا ہے، صرف ایک شرط برقرار رکھی گئی ہے کہ یہ خبر کسی ذمہ دار ہلال کیٹیج یا جماعت علماء یا قاضی شریعت و شہرہ تمام کے فیصلہ کا اعلان کرے۔

راقم المحروف کے خیال میں مجلس تحقیقات کی تقریر کے ان نمبروں (۱ تا ۱۰) کی مختصر اور واضح تفسیر یہ ہے کہ — ریڈیو کی خبر اعلان کا درجہ رکھتی ہے، اعلان کرنے والے کے لئے تدبیر یا اسلام کی شرط نہیں ہوتی، البتہ یہ ضروری ہے کہ خبر میں یہ تصریح ہو کہ ذمہ دار کیٹیج یا علماء ریڈیو قاضی شریعت نے رویت ہلال کا فیصلہ کیا ہے اگر خبر محل ہو کہ فلاں شہر میں چاند دیکھا گیا، یا کل عید منافی جائے گی تو اس کا اعتبار نہیں ہے۔ راقم المحروف نے اس مضمون کے (۱۵) میں لکھا ہے کہ منافی طور پر ریڈیو کی خبر کو اعلان یا علامت کیٹیج یا علامت کی حیثیت دیا جاتی ہے لیکن سوال یہ ہے کہ دو سے کہہ کر مقام پر اس کو کیا حیثیت دیا جائے گی، اگر یہ کیٹیج ایسی حیثیت رکھتی ہے کہ اس کا فیصلہ دو سے کہہ کر مقام میں بھی نافذ ہوتا ہے تو کیٹیج کیٹیج یا علامت کیٹیج یا علامت کی حیثیت دیا جاتی ہے۔

**بقیہ "رویت ہلال"**

دوسروں کی طرف سے ڈھنڈا درچی ہے۔ (۱۳) اطلاع دینے والا دونوں قسموں میں داخل ہو بلکہ محض بطور خبر اطلاع دے جسے کہ عام طور پر خبر سلائی مالک کے ریڈیو سٹیشنوں سے خبریں نشر ہو کر آتی ہیں پہلی اور دوسری صورت میں ریڈیو کی اطلاع اعلان کی حیثیت رکھتی ہے اور اعلان کرنے والے یا اعلان کرانے والے کے حدود ولایت میں ہر مسلمان پر اسے تسلیم کر کے اس پر عمل کرنا واجب ہوگا استنفاذ وغیرہ کی شرط اس میں نہ ہوگی، تیسری صورت میں اس کی حیثیت محض خبر کی ہوگی اور اس کے قبول کرنے کے لئے وہی شرائط ہوں گے جو ایسی خبر کے قبول کرنے کے لئے مقرر ہیں۔

پہلی اور دوسری صورت میں بھی اس اطلاع کو اعلان کا درجہ صرف عمل کے حدود ولایت کے اندر حاصل ہوگا، ان حدود سے باہر اس کی حیثیت محض خبر کی ہوگی اور اس کے قبول کرنے کے لئے وہی شرائط ہوں گے جو قبول خبر کے لئے مقرر ہیں مثلاً پاکستان میں حکومت کی مقرر کردہ یا اختیار کیٹیج کی طرف سے جو اعلان رویت شائع ہوگا اس کی حیثیت حکم اور اعلان کی ہوگی مگر صرف حدود پاکستان میں ہندوستان کے لئے ان کا اعلان خبری کی حیثیت رکھتا ہے، ہاں اگر ہندوستان کے مسلمان بھی اجماعی طور پر طے کر لیں کہ وہاں کے فیصلہ کو تسلیم کریں گے اور اسی کے مطابق عمل کریں گے تو ان کے لئے بھی اس کی حیثیت اعلان کی ہو جائے گی۔

دہلی کی رویت ہلال کیٹیج کا مسئلہ بھی اس سے واضح ہو جاتا ہے۔ مسلمانان دہلی نے اس مسئلہ میں اس کی مالک کی حیثیت تسلیم کر لی ہے اس لئے ان کے لئے اس کی جانب سے نشر کی ہوئی ریڈیو کی اطلاع اعلان کا درجہ رکھتی ہے اسلئے اس دورہ مقامات میں بھی جہاں کے جمہور تسلیم نے اس کی حیثیت تسلیم کر لی ہے یہی حکم ہوگا۔ لیکن چونکہ پورے ہندوستان میں اس کی حیثیت تسلیم نہیں کی گئی ہے اس لئے ہر جگہ کے لئے اس کی اطلاع اعلان کی حیثیت نہیں رکھتی ہے بلکہ بہت سے مقامات پر اس کی حیثیت محض خبر کے ہوگی اور فیصلہ قاضی علماء اور ذمہ داروں کے اختیار میں ہوگا۔

تجویر مجلس کی دفعہ ۱۱ میں تیسری صورت کو ملحوظ رکھتے ہوئے اور ریڈیو کی اطلاع کو خبر کی حیثیت دیکھ کر بیان کیا گیا ہے۔ دفعہ ۱۱ میں صورت اول و دوم کو صاف رکھتے ہوئے اور اس اطلاع کو اعلان کا درجہ دے کر اس پر حکم کی بنیاد رکھی گئی ہے۔ اس لئے آخر کے خیال میں دفعہ ۱۱ اور دفعہ ۱۱ میں کوئی تادم و تضاد نہیں ہے، چونکہ ریڈیو کی ان دونوں حیثیتوں کی تفصیل تجویز میں کی گئی ہے اس لئے کہ استنباط واقع ہوا لیکن دفعہ ۱۱ کو دیکھنے سے یہ اشتباہ رہ نہ سکتا ہے اس لئے کہ اس میں حقیقت کے فرق کی جانب سے اشارہ ملتا ہے۔

اس وقت صورت حال یہ ہے کہ ہندوستان میں کوئی ایسا ادارہ نہیں ہے جس کے اعلان رویت کو کم از کم مسلمانان ہند کی اکثریت ہی تسلیم کرے اکثر مقامات پر کچھ مقامی ادارے یا افراد اپنے حلقہ اثر میں رویت کے متعلق اعلان کرتے ہیں اور ان کے فیصلہ پر اس حلقہ کے مسلمان عمل کرتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ سے تجویز کی دفعہ (۱۳) میں "خبر کی صورت کو پیش نظر رکھ کر فیصلہ قاضی علماء پر عبور دیا گیا ہے اس لئے کہ عام طور پر استنفاذ کے شرائط وغیرہ سے واقف ہوتے ہیں۔ تاہم راقم السطور کی ذاتی رائے یہ ہے کہ ان مقامات کے ذمہ داروں کی ہولیت کے لئے مجلس اس کی توجیہ کرے تو بہتر ہے۔ انشاء اللہ مجلس کے آئندہ اجلاس میں تجویز پیش کر دیں گا۔

حضرت مولانا نے جو سوالات تجویز فرمائے ہیں ان کا جواب اس توضیح سے واضح ہو جاتا ہے اس کی شدید ضرورت ہے کہ پورے ہندوستان کے لئے ایک ہی رویت ہلال کیٹیج بن جائے جس کے فیصلہ کو پورے ملک میں تسلیم کیا جائے، اگر ایسا ہو جائے تو رویت ہلال کا مسئلہ بالکل حل ہو جائے گا اور ایسی کیٹیج کی اطلاع ذمہ داروں کی خبر کے بجائے اعلان کبھی جائے گی جس پر عمل کرنا۔ پورے ملک کے مسلمانوں کے لئے ضروری ہوگا۔

محمد اسحاق خٹو عتہ

(بقیہ صفحہ ۲۲ کا مضمون) بعد الذکرات الارض سیر شہا عبادی الصالحون۔ (ایمان) اور یہ آیت بھی واللہ العزیز والرسول، واللہم شہدین (مناقون) وان جنہم الغالبون اور الا ان حزب اللہ هم الغالبون اور وانتم الاعلون ان كنتم مؤمنین اور ولخبیة حیوة طیبة — اور من ینق اللہ یجعل له مخرجاً یرزقه من حیث یشاء لا یحسب

اور اب وہ آیات ملاحظہ ہوں جن میں لوگوں کو ان کی بد اعمالیوں پر آخرت کے ساتھ ساتھ خود اس دنیا میں بھی اس کے عذاب کا فرہ دکھانے کی وعید ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔ وما اصابکم من مصیبة فبما كسبت انفسکم (شوری) ولولا ان تعصمتم ما اقتدمت ایسا ہیہم (قصص) اور واذا اردنا ان نهلك قرية

امرنا منہ فینھا ففسقوا الحق علیہا القول فنزلنا منہم علیہم منورا۔ (شوری) اور — ظہرو الفساد فی البرد البحر بما کسبت انفسکم الناس لیسوا بعلیہم بعض الذی عملوا العلمہم یرجون (سورہ روم)

ہمارا ہی بد کنجی جس حد تک پہنچ چکی ہے اس پر ذیل کی یہ آیت کس قدر چمک پان ہو رہی ہے اس میں بد اعمالیوں پر عذاب کی بات بھی بہت صاف اور واضح طور پر آجاتی ہے، ارشاد ہوتا ہے۔ و ضرب اللہ مثلاً قتریة کانت آمنہ مطمئنة یاتیکم رزقہم و ارعوا من کل مکان فکفرت بانفسہم اللہ فأتوا اللہ لیس الحسوع والخوف بماک انوا یصنعون (آل عمران) اور یہ آیتیں بھی وما اصابکم من سبیة فمن لفظ (سورہ نساء) (بقیہ صفحہ ۲۲ پر)

# ہماری آج کی کامیابیوں کا سہرا ان ہی کے سر ہے۔ (مولانا سید ابوالحسن علی ندوی)

بانی مسجد رب المسجود کے بارگاہ میں حاضر ہے۔ (مولانا محمد اویس ندوی) شاید لفظ "نا ممکن" انہی کی لغت میں نہ ملے تھا۔ (مولانا محمد منظور نعمانی)

## ان کے ورثے کی حفاظت نہ کرنا بد قسمتی ہے (مولانا محمد اسحاق ندوی)

# دارالعلوم ندوہ کے جلسہ تعیش میں مولانا مسعود علی ندوی مرحوم کو سراج عقیدت

لکھنؤ، ۳۱ اگست ۱۹۷۷ء ندوہ کے سپوت مشعلی رحمہ کے شاگرد رشید، مفتا ندوی کے حلقہ مجلس مولانا مسعود علی ندوی کے انتقال کی خبر سے ندوہ کی متحرک فضا پر آج ایک غمناک سکوت طاری ہو گیا اساتذہ و طلباء سارا کام روک کر دارالعلوم کی اس وسیع و پرشکوہ مسجد میں جمع ہوئے جس کی تعمیر کا سہرا مولانا مرحوم کی انصاف کو ششوں کے سر ہے۔

سائرس ۹ بجے تلاوت کلام پاک سے جلسہ تعیش کا آغاز ہوا۔ سب سے پہلے دارالعلوم ندوہ العالمیہ کے استاذ تفسیر مولانا محمد اویس ندوی نے اپنے تائثرات کا اظہار ان الفاظ میں کیا۔

"بانی مسجد آج رب المسجود کی بارگاہ میں حاضر ہے خدا ان کے ساتھ ہی معاملہ فرمائے جس کا وعدہ اس نے اپنی راہ کے ہر عباد سے کیا ہے، ان کی انتظامی صلاحیتیں خدا داد تھیں۔ علامہ رشیدی ان ہی سے کہا کرتے تھے، قوم کو جتنی ضرورت میرے سامنے ہے اتنی ہی ضرورتیں ان کے پاس ہیں۔"

واقعہ یہ ہے کہ مولانا مسعود علی ندوی نے اپنے صاحب کو انتظامی انکار سے اس طرح آزاد کر دیا تھا کہ ان کا ایک جتنی بھی غیر علمی کام میں ضابطہ نہیں ہوتا تھا، ان کے علمی انتظام اور تدبیر کا اعتراف کا ندھی جی نے اس طرح کیا کہ عدم تعاون کی تحریک میں انھیں حلقہ علم کوڑ کا ڈکڑا مقرر کیا۔ تحریک خلافت کی توانائی جاری رکھنے کے لئے انہوں نے صوبائی کونسلوں سے نوے ہزار روپے کا رقم اکٹھا کر کے پیش کیا تھی۔ لہذا ساتھیوں کی ان کے مخالف کوششوں کی وجہ سے انھیں "غازی" کے لقب سے یاد کرتے تھے۔ ساتھیوں کی بہت سختی سے پابند تھے۔

دراصل وہ نظریات کے نہیں عمل اور صرف عمل کے آدمی تھے، لیکن موافق ایسے بھی آئے جب مولانا کو اپنے باوقار سے لائیں تک اٹھانا پڑا۔

نوادری مزمز رکھتے تھے اور انتہائی وضع دار آدمی تھے ہر ملے والے اور چھوٹے بڑے سے یکساں تعلقات رکھتے تھے، ذوقی عبادت کا یہ عالم تھا کہ تہجد کا نغمہ کم ہی ہوتا تھا۔ رمضان میں اعتکاف کے لئے دارالمصنفین کی مسجد میں ایک منگت تعمیر کرایا تھا، تعمیر ہو یا نہ ہو، نفاخت ہر چیز میں ان کا طرہ امتیاز تھی۔

مولانا محمد منظور نعمانی نے مرحوم کے عزم و جوش اور کبھی نہ ہارنے والی ہمت کو یاد کرتے ہوئے کہا کہ وہ جس مجلس میں ہونے اس پر چھا جاتے تھے "نا ممکن" کا لفظ تو شاید ان کی لغت میں تھا ہی نہیں، مشکل سے مشکل مسئلہ چیلنج جاتے حل کر دیا ان کے بائیں ہاتھ کا کعبیل تھا، اس سلسلے میں مولانا نعمانی نے متعدد واقعات سنائے جن سے مرحوم مولانا مسعود علی ندوی کی شخصیت کے اس آہنی پہلو پر روشنی پڑتی تھی۔

مولانا نعمانی نے آخر میں کہا کہ مولانا مسعود علی ندوی اگر ہندوستان کے چوٹی کے سیاسی لیڈروں سے اپنے انتہائی گہرے تعلقات کا کوئی فائدہ اٹھانا چاہتے تو وہ جو چاہتے ہیں سکتے تھے لیکن انہوں نے اپنے لئے کچھ نہیں کیا۔

مرحوم کی قابل قدر شخصیت سب سے زیادہ تفصیل سے ریٹرن مولانا سید ابوالحسن علی ندوی (ناظم ندوہ العلماء) نے ڈالی۔

مولانا مسعود علی ندوی کے علی میاں نے فرمایا:۔۔۔ متعلق کچھ عرض کرنا میرے

لے ایک سعادت ہے۔ ہم اس وقت جہاں گھرے ہیں اس مسجد کی ایک ایک اینٹ اور اس کے گارے چوہنے کا ایک ذرہ ان کے لئے دعا ہے خیر کرتا ہو گا۔ یہاں ہر نماز پڑھنے والے اور ہر تلاوت کرنے والے کا بیڑی ہے کہ وہ اللہ کے لئے اپنی جتنی شائستگی اور شکر گزاری کا کچھ نہ کچھ حصہ ادا کریں ان پر ایک عہد کا خاتمہ ہے۔ جس کی آج پوری طرح تصور پرکھی جی نہیں کی جا سکتی تھی نا شناسی اور سیاسی اغراض نے اس تصور کو ہماری آنکھوں سے اوجھل کر لیا ہے۔ وہ پہلا آخری دور تھا جس میں مسلمان دراصل ہندوستان میں بے تاج کی بادشاہی کر رہے تھے،

مولانا مسعود علی ندوی ان فقیرانہ لے لو ایں سے تھے جن کی سلطنت کے نقوش اس ملک کے قلب و سکر پر ثبت ہیں، وہ تحریک خلافت کے رکن رکین تھے۔ ان کی ہر لغز بیری، حاضر دماغی، لگن اور ذہانت کا یہ عالم تھا کہ وہ جس مجلس میں ہوتے (خواہ وہ مولانا ابوالکلام آزاد جیسی دیوبند شخصیت کی مجلس کیوں نہ ہوتی) اس میں ملیں کی طرح چمکتے اور شمع انجمن کی طرح چمکتے رہتے۔

رہنما احمد قدوائی ان سے نیاز مند ملتے تھے جو اہر لال ہندوان کی رفاقت کا یہ تذکرہ تھے۔

ایک بار مولانا آزاد مرحوم نے حکومت کی طرف سے دارالعلوم ندوہ العلماء کو ایک نمونہ کی عریک دیوبند بنانے کی پیشکش کی، اس سلسلہ میں انہوں نے ارکان ندوہ اور خاصکر علامہ سید سلیمان ندوی کو لکھا، ایک تو اتنی پرکشش تجویز، دوسرے مولانا آزاد کی پیشکش اس کا رد کرنا ارکان ندوہ کے لئے ایک عجیب و غریب

مسئلہ بن گیا تھا۔ مولانا آزاد کے دبیر کی وجہ سے کسی کو انکار کی ہمت نہیں پڑتی تھی لیکن مستقبل کے خطرات کا خیال (جو اب ماضی و حال کی تلخ ترین حقیقت ہے) اس پیشکش کو قبول بھی نہیں کرنے دیتا تھا، لیکن جلد... ارکان ندوہ کو جس نے نجات دلائی وہ مسعود علی ندوی کی ذات تھی۔

مولانا مسعود علی ندوی، مولانا آزاد سے ملنے گئے، بے موقع نہ ہو گا اگر یہاں یہ بھی بتا دیا جائے کہ مولانا آزاد کی آزمائشوں میں سے ایک آزمائش ان کے سکرپٹری بھی تھے جنہوں نے مسعود علی ندوی کو ان سے ملنے سے روک دیا اور کسی اور دن آنے کے لئے کہا یہ سکرپٹری مولانا مسعود علی ندوی لان میں بٹلے... سکرپٹری کی پھر نگاہ پڑی تو پوچھا۔

"مولوی صاحب کیا سوچ رہے ہیں؟"

مولانا نے جواب دیا

"آزاد سے میرے تعلقات کی عمر پچاس سال ہو گئی ہے سوچتا ہوں اپنے ان کے تعلقات کی گولڈن جوہلی منا ڈالوں اس کے لئے ان سے تاریخ لینے کا ارادہ ہے۔"

سکرپٹری صاحب یہ سکرپٹری گئے اور فوراً انڈر جانے کی اجازت دے دی۔

مولانا آزاد سے ملکر مولانا مسعود علی ندوی نے ان کی اس پیشکش پر گفتگو کرتے ہوئے کہا ہے علامہ شبلی اور مولانا محمد علی مودودی کی قیروں پر "بانی ندوہ" لکھا جا رہا ہو گا۔ کیا آپ پسند کریں گے کہ ہماری آپ کی قبر پر "قابل ندوہ" لکھا جائے؟

مولانا آزاد نے فرمایا۔ نہیں مولوی مسعود

پرگز نہیں سے بس یہیں پر وہ ساری اکیم خرم ہو گئے انتظام و تدبیر کی ایسا خدا داد صلاحیت ان کے اندر تھی کہ ہندوستان کی مشکل نے مشکل وزارت کے وہ اہل جوہر تھے لیکن اللہ نے ان صلاحیتوں کے ساتھ ان کو دارالمصنفین کے لئے منتخب فرمایا۔۔۔۔۔ اس کی اہمیت آج چاہے کہ وہ منع ہو لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس کی اہمیت بڑھتی ہی جائے گی، سید ولی علی شخصیتوں کی متفقہ رائے ہے کہ دارالمصنفین کا ملکی سکون اور سراسر کار تحقیق و اجول دوسری جگہ نہیں ہے۔"

مولانا نے تقریر جاری رکھتے ہوئے فرمایا

"آپ کو کیسے بتایا جائے کہ اس مسجد کے لئے جس میں اس وقت بیٹھے ہیں اور اس آسٹریا کے لئے جس کی طرح ایک ایک خاک چھری کر لیا گیا ہے اور اس چمن بندی میں اس مانی کا کتنا حصہ ہے، آپ شاید یقین نہ کریں کہ وہ صحیح ممنوں میں گلے میں چھوٹی ڈال کر شہ ناکھتو کے دروازوں پر جاتے تھے اور اس فرخ کے لئے تنگ مہر کی ایک ایک تھنی کے لئے صاحبان دل اور عمر مان در سے اپنی کرتے تھے جب شام کو وہ اپنے تو دوسرے دن کے کام بھر کا کافی سرمایہ اس گدا سے لگا کلاہ کی چھوٹی میں موجود ہوتا تھا۔

اس دور کی ترقی کا بڑا سہرا محسوس طریقہ پر مولانا مسعود علی ندوی کے سر ہے، بظاہر وہ مسجد بنوا رہے تھے لیکن اس مسجد کے اندر حقیقی دارالعلوم بن رہا تھا اور پچھلے پچھلے کے مرحوم سے تعمیر ہے جہاں کی۔ انہوں نے ندوہ میں جس نوجوانوں کو جس جگہ کے لئے منتخب فرمایا۔

مصنفین کا جو جتنا شکر گزار ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اتنے ہی اس کے درجات بلند فرماتے ہیں ہم میں اور آپ میں بڑی کمیوری ہے کہ ہم اپنے ممنوں کو جنس واقعات پہچانتے بھی نہیں، اپنے لوح دل پر لکھ لیجئے کہ: ہر وہ آباء کھر... یہ کبھی نہ سمجھ سکے کہ اس گھر کے سب سے عمدے تھے، خدا نے ان کی حقارت کی یہ سب سے بڑی دلیل ہے۔ آج ہم ان کا ذکر اس جگہ کر رہے ہیں جس کے لئے قرآن کریم کا ارشاد ہے۔

حق بیوت اذت اللہ...

سب سے آخر میں اس جلسہ کے صدر اور مہتمم دارالعلوم مولانا محمد اسحاق صاحب ندوی نے اپنے تاثرات پیش کرتے ہوئے فرمایا:

میری محرومی یہ ہے کہ مولانا مرحوم سے میرا بہت کم تعلق رہا لیکن اس کم تعلق کے باوجود وہ مجھ پر جو محبت فرماتے تھے وہ دل پر نقش ہے، ہمارے بزرگ ہمارے واسطے کچھ نہ کچھ چھوڑ کر جاتے ہیں، ہم ان کے ورثہ کی حفاظت نہ کریں تو یہ بد قسمتی ہوگی، علامہ کا اور سادات مند کی کا تقاضا ہے کہ اس مقدس ورثہ کے ایک ایک ریزہ... کی حفاظت کی جائے۔ مولانا سولہ عہد کے ایک سید سے مارے مولوی تھے، کبھی بڑے بڑے جاہ و شہرہ والے ان کے پاس آتے تھے انہوں نے، وزراء اور اعلیٰ افسران کے نہیں کبھی نیاز مند کی کا مظاہرہ نہیں کیا، البتہ اس کے رکھنے بارہا دیکھنے میں آیا۔ ان سب کے باوجود ان کی یادگی اور خدمت اسی میں کوئی فرق نہ آیا، شرعی احکام کی ادنیٰ خلاف ورزی وہ نہ کر سکتے۔ بے غرض اور مستنار

"باقی صفحہ پر"

# اس تین روزہ جنگ میں خدا کی نصرت کیوں نہ ہوئی؟ یہ عربی امت کیا چیز ہے، کیا خدا تعالیٰ کو چیلنج دینے کیساتھ خدا کی نصرت کی توقع کیجا سکتی ہے؟ شامی سپریم کورٹ کے سابق جج اور مشہور شامی عالم علی طنطاوی کا اعلان

یہ مضمون حضرت الاساذ الشیخ علی طنطاوی کے ایک تازہ مضمون "عبرة الثلاثا" الايام" کا حصہ ہے، یہاں عربی سے ترجمہ کر کے شائع کیا جا رہا ہے۔ الاساذ الشیخ علی طنطاوی عالم عربی کے ممتاز اور مشہور ترین ادیب اور عالم ہیں۔ تعلیم معروثام میں حاصل کی تھی اور اس کے بعد شیعہ قانون اسلامی کے متعدد اہم عہدوں پر فائز رہے دمشق یونیورسٹی میں پروفیسر بھی رہے اور آخر میں قیام کی سپریم کورٹ کے جج بنے دو سال سے ملازم ہیں "مترجم"

تحریر: علی طنطاوی مترجم: مولانا محمد راجہ ندوی

ہم کو کامیابی کیوں نہیں ہوئی جبکہ ہمارے پاس کامیابی کے تمام ذرائع موجود تھے، زبردست قوت تھی بلکہ متعدد بڑی فوجیں تھیں، تعداد بھی بہت تھی اور عظمت و بڑائی کا احساس بھی تھا۔ میں تم کو بتا ہوں اپنی طرف سے نہیں بلکہ تم کو صرف وہ یاد دلانا چاہتا ہوں جس کو تم قبول گئے ہو اور وہ تمہارے دین کی ایک حقیقت ہے، وہ یہ کہ کامیابی اسلحہ سے نہیں ملتی۔ اسلحہ کامیابی کا ایک ذریعہ ضرور ہے لیکن وہ کامیابی کی بنیاد نہیں ہے۔

یہ بالکل جانی پہچانی اور برقی ہوئی حقیقت ہے مثلاً وہ شخص ایک دوسرے سے لڑتے ہیں ان میں سے ایک زیادتی کرنے والا اور بزدل ہے لیکن اس کے ہاتھ میں ہتھیار ہے اس کے برعکس دوسرا شخص بہادر ہے اپنی عزت و آبرو کا دفاع کر رہا ہے اور اس کے پاس صرف ڈنڈا ہے، آپ دیکھیں گے کہ وہ اپنے ڈنڈے سے ہتھیار کو زیر کرے گا۔

انسان کے اندروں میں طاقتوں کا خزانہ محفوظ ہے جس کو اس کے طاقتور جذبات ہی باہر نکال سکتے ہیں، آپ مثلاً کسی روز شام کو دن بھر محنت کے بعد خشک کر گھر لوئیں آپ کو صرف اس بات

و من سباط الخیل ترهبونہ صلی علیہ و آلہ و سلم) اور ان (دشمنوں) کے لئے تیار کرو جبکہ رطقت اور گھوڑوں کو بانہننا تمہارا اس استطاعت میں ہو اس سے تم اللہ تعالیٰ کے دشمن اور اپنے دشمنوں کو ڈرا سکو گے اللہ تعالیٰ نے بدر کے موقع پر مسلمانوں کی مدد فرشتوں کے ذریعہ کی لیکن کیوں؟ کیا اس لئے کہ فرشتوں کے ذریعہ پیغمبر فرج حاصل کریں؟ نہیں بلکہ صرف اطمینان پیدا کرنے کے لئے (وما جعلنا اللہ الا لیشیخی لکم ولتطمئن قلوبکم بہ) اور نہیں بنایا اسلحہ خدا تعالیٰ نے بلکہ تمہارے لئے ایک بشارت اور تاکہ اس کی وجہ سے تمہارے قلوب اطمینان حاصل کر سکیں) یہی نصرت و فتح تو ان کے منتظر دہائیوں میں تقریباً فرمادیا کہ و ما النصر الا من عند اللہ۔ نصرت و فتح اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہے۔

جنگ بدر میں مسلمان کم تعداد میں اور بہت دکھ زور تھے جبکہ خود قرآن میں ہے لیکن وہ اپنی بہتری دکھ زوری کے باوجود کامیاب ہوئے۔ اور یہی مسلمان جنگ حنین میں بڑی تعداد میں تھے اور ان کو اپنی کثرت پر اعتماد بھی تھا لیکن ان کو ہزیمت ہوئی تھی اور جبکہ قرآن مجید میں ذکر ہے ان کی کثرت ان کے کچھ کام نہ آئی۔

لہذا یہ معلوم ہو کہ نصرت و فتح نہ تعداد پر حاصل ہوتی ہے اور نہ اسلحہ کی بنیاد پر، یہ مسلمان جیسا بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جنگ کی غرض سے نکلے، اپنے دشمنوں سے تعداد میں زیادہ نہ تھے اور نہ ان کے پاس سامان جنگ بیکل تھا اور نہ وہ کبھی دشمنوں کے مساوی تھے، جب بھی مقابلہ پڑا تو تعداد اور سامان کی کمی کے ساتھ آئے۔ اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی جب مسلمان فتوحات

کے لئے نکلے ہمیشہ اپنے دشمنوں سے تعداد اور سامان کے لحاظ سے کم رہے پھر وہ ہمیشہ کامیاب و کامران رہے۔ اگر فوج اور اسلحہ دونوں سے نصرت و فتح نہیں حاصل ہوتی تو پھر نصرت و فتح حاصل کرنے کا دوسرا طریقہ کیا ہے؟ لیکن یہ اس کا جواب مذہب اسلام سے دینا ہوں۔

مذہب اسلام یہ طے کرتا ہے کہ بیشک نصرت و فتح اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے ازراہ کرم و احسان نصرت کا وعدہ فرمایا ہے اور یہی نہیں بلکہ یہ نصرت اپنے اوپر لازم قرار دی ہے، اللہ تعالیٰ نے یہ وعدہ فرمایا ہے کہ وہ ان کی طرف سے مدافعت کرنے والا ہے گا و کان حقاً علینا نصر المؤمنین (ایمان والوں کی نصرت ہم پر لازم ہے) ان اللہ صد افع عت الذین امنوا (بیشک اللہ تعالیٰ مدافعت کرتا ہے، ان لوگوں کی طرف سے جو ایمان لائے) لیکن اس لئے نصرت کے لئے ایک شرط لگائی ہے اور وہ یہ ہے کہ ہم اس کے دین کی نصرت کریں اور وہ اس طور پر کہ اس دین کے احکام کی پیروی کریں اور اس کے حلال کردہ کو حلال بنائیں اور حرام کردہ کو حرام بنائیں ان ننصر اللہ ینصرکم (اگر تم اللہ کی نصرت کر گئے تو اللہ تمہاری نصرت کرے گا)۔

پس آؤ غور کرو کیا ہم نے اللہ تعالیٰ کی نصرت کی تھی کہ ہم امید کرتے کہ اللہ تعالیٰ ہمارا مدد کرے گا؟ کیا ہم مکرر جنگ میں ایمان کے ساتھ داخل ہوئے تھے، مجاہد فی سبیل اللہ کی حیثیت سے، اعلا کلمۃ اللہ کی غرض سے؟ مکرر جنگ کے دنوں میں سوائے چند متفرق گھریوں کے سوز سکا تھا اور میں ہر ریڈیا کی نشریہ سنتا تھا، ہر ترانے پر کان لگاتا تھا، لیکن میں نے ان میں سے کسی میں خدا کی قسم کی کو جہاد اسلامی کا تذکرہ کرتے ہوئے نہ پایا اور نہ کسی کو اعلا کلمۃ اللہ کی فکر میں پایا، میں صرف یہ سنتا تھا کہ یہ عربیت کا محرکہ ہے، اشتیاق و بدلا کا محرکہ ہے، عربی قوم کا محرکہ ہے، یہ عربیت ہے کیا (من لیجتہ) جو بھی عربیت کی راہ میں نکلا وہ مجاہد نہیں اور اگر اس راہ میں اس نے جان دیا ہے تو وہ شہید کی موت نہیں مرا۔ اور جو اشتیاقی عقیدے سے جنگ کرنے نکلے گا وہ بھی مجاہد نہ ہوگا۔ اور اس راہ میں مر جائے گا تو شہید نہ ہوگا اور یہی عربی امت و ماہرین علم۔

الاجتماع کے نزدیک امت کا لفظ افراس کے ایسے مجموعے کے لئے مستعمل ہے جن کو اصول و مقصد کا اتحاد ایک مضبوط رشتہ میں پروئے ہو تو کیا عرب ایک امت ہیں؟ عرب ہی میں سے حضرت ابو بکرؓ اور ابو جہلؓ بھی تھا، بتائے وہ کیا رشتہ ہو گا جس میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور ابو جہل کو آپ پروردیگی؟

اسلام کی صحیح نظر میں کبھی کوئی ایسی چیز قابل تسلیم نہیں، جس کا نام الامۃ العربیۃ ہو ہاں وہ امت محمدیہ، امت نبوی، امت عیسیٰ امت صادق علیہم السلام کو ماننا اور تسلیم کرنا ہے قرآن مجید انسانوں کو دو گروہوں میں تقسیم کرتا ہے مومنوں کا گروہ، کافروں کا گروہ، وہ کہتا ہے یا ایہا الذین امنوا! امنوا! اے وہ لوگو! جو ایمان لائے اور یا ایہا الذین کفروا اے وہ لوگو! جنہوں نے کفر کیا،

پھر یہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جن پر قرآن مجید اترا، جاہلیتی دعوت سے منح فرماتے ہیں تو کیا ایسی صورت میں جبکہ ہم قرآن مجید اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم جن پر کہ قرآن مجید اترا کے خلاف کام کر رہے ہیں نصرت و کامیابی کی توقع کر سکتے ہیں، میں ریڈیو پر سنتا تھا کہ اتنا مستنصر، مستنصر، بیشک ہم کامیاب ہو جائیں گے، بیشک ہم کامیاب ہو جائیں گے لیکن اس کے ساتھ کبھی نے یہ نہ کہا کہ انشاء اللہ اگر اللہ چاہے گا۔

میں نے بعض ریڈیو سٹیشنوں کے عربی فنون میں یہ بھی سنا کہ اپنا متحد ہی القصد ہم تقدیر کو بھی چیلنج کرتے ہیں حالانکہ تقدیر تو وہ چیز ہے جس کو خدا تعالیٰ اپنی ذات سے لپیٹ کر لیتا ہے، میں نے تو جس وقت یہ چیلنج سنا اس وقت سمجھا کہ ہم ہرگز کامیاب نہ ہوں گے اس لئے کہ جو خدا تعالیٰ کو چیلنج کر سکتا ہے وہ خدا سے تعالیٰ سے نصرت کے حصول کا طلبگار تو نہیں ہو سکتا۔

میں نے ایک دو سکریٹریوں اور شیخوں سے سنا کہ عرب وہ امت ہے جو اپنی تقدیر کی خود کار سار ہے اس کے علاوہ میں نے غیر اللہ کی قسم بھی کھاتے سنا تو کیا اس طرح دین بیزاری اور ایسا مریخ کا قرآن رو بہ اختیار کر کے ہم امید کر سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہماری مدد کرے گا۔ کیا ہمارا بھروسہ صرف اللہ پر تھا مثلاً روس پر

اور ہم اس سے نصرت و فتح کے طلبگار تھے اور کیا شکست کی مصیبت کے بعد بھی ہم اس سبب سے نصرت پر قائم رہیں گے۔

بلکہ نصرت و فتح اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملتی ہے، رہا یہ واقعہ جو ہم کو پیش آیا، یہ وہ حقیقت ہمارے لئے ایک سزا تھی، یہ ایک تہنیت تھی تاکہ ہم اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹیں اور صرف ان سے نصرت کے طلبگار ہوں، تو کیا ہم کچھ اور ہوشیار ہوں گے۔

## بقیہ "مکتوب امریکہ"

ان کی ضرورت نہیں لیکن علمی و تاریخی مقالات معارف کے حوالے ہیں تاکہ عرب کی سرانجامی اور جستجو و میاکی کا پتہ چل سکے، یہی اسلوب مغرب کے امتیاز کا آج باعث بن گیا ہے اور ہم جو فن اسناد کے مورخ تھے آج اسی فن کے لئے جنہیں ناما فنس قرار دے دیے گئے۔ ہمارے مقالہ میں حوالے اور اسناد کافی ہیں۔ اگر تری کے اقتباسات بھی ہیں، وہ اس لئے نہیں کہ آپ شائع کریں بلکہ اس لئے کہ آئندہ اگر اللہ نے توفیق دی اور اس کو اگر تری میں ترجمہ کرنے کا موقع ملا تو سب ان اقتباسات کی سرگزشتانی میں وقت ضائع نہ ہو۔

مقالہ کا اسلوب بیان نہ نہیں بلکہ مختلف ہے آپ اسے اس وقت پڑھیں جب آپ کا دل درد کے بوجھ کو اٹھانے اور احساس کی گرانباری کو سنبھالنے کے لائق ہو، احساس کے وقت میں پڑھئے۔ ایک امت کی کہانی درد سزا بیکر تروپا تھے گی۔ احساس ہی آرام کا ماہ ہے

نعمۃ الاحساس ما برحت  
نعمۃ من طبعنا انعم  
کایحیی الفقہ حنا قدھا  
ولنصب الواحد الالہ  
یہ نثر نہیں ہے زمام امت کا مرقع ہے سے  
نثر کجا دمن کجا ساز سخن بہار بیت  
سوئے نظاری کثر نثر بے زامہا

# یہود اور مسلمان مجید

## صدق جدید کے مضمون سے متعلق

### تمہید

ازہ حبیب اللہ پالسن پوری

زیر نظر مضمون اگرچہ جولائی ہی میں لکھا جا چکا تھا مگر بعض وجوہات کا بنا پر ہر اگت سے پہلے دفتر صدق کو نہ بھیج سکا نہ کہ تاریخ کو یہ مضمون ارسال کرنے کے بعد صدق میں یکم ستمبر تک نہ بچت جلتی رہی مگر اس مضمون سے متعلق اردو قبول سے کوئی قرض نہ کیا گیا اور یکم ستمبر کو ذیل کے خط کے ساتھ مضمون واپس آگیا کہ منہ السلام علیکم رحمہم اگت صدق جدید دربار علیہ السلام کے صدق میں ایک اور مضمون اس موضوع پر ذکر اس بحث کو ختم کیا جا رہا ہے۔ ہر وقت کو اپنے نقطہ نظر کی وضاحت کا پورا موقع مل گیا۔ آپ کے قابل قدر مضمون کیلئے گنجائش نہ مل سکی۔ اسلئے افسوس و معذرت کیساتھ واپس خدمت ہے۔ (اسلام رسالہ) عبداللہ (اصحاب)

میں ناظرین کو زحمت دو لگا کر وہ مذبذب ہیں تاہم اچھی طرح دیکھ کر ذیل کے مضمون بصورت مکتوب و خطاب پر بھی ایک نظر ڈالیں پھر رائے قائم کریں کہ آیا صدق جدید کے اذواق میں ہر فریق کو اپنے نقطہ نظر کی وضاحت کا پورا موقع مل سکا ہے یا بحث اچھی اپنے ابتدائی مرحلہ ہی میں ختم ہوئی۔

کرمی مولانا! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ صدق جدید ۲۰ جولائی ۱۹۰۷ء کا مضمون منہ السلام علیہم ورحمۃ اللہ علیہم اور قرآن مجید (نقطہ ثانی) دیکھنے کے بعد کچھ اشکال پیدا ہوئے اس لئے ہر وقت جب باتیں عرض کرنا ہوں۔  
**دفعہ ۱۱** (مضمون) کہہ کر کہ نقطہ ثانی کے پہلے لکھا گیا ہے کہ یہ لکھا ہے کہ "قدرۃ وعبودیت اور عزتوں کا تعلق انہیں ہے کہ ان کی آئندہ نسلوں سے" مگر قرآن کی تصریحات بالخصوص اس کے خلاف جاری ہیں باریق ذکر میں علیہ السلام میں قرآن لکھا ہے "فما سألنا منہم فی الدنیا والآخرۃ وما لہم مننا صریحاً" (آل عمران ۵۷)

یہ مفید بالذکر ہے اور توبہ سے کیا مراد ہے آگے اس کی تفصیل کر دی جائیگی۔ اسی آیت کے تحت آپ نے فرمایا کہ "میں اس موقع پر جلال پر اس کے بالکل برعکس اسماء غفور ورحیم کو لانا الخ" عرض یہ ہے کہ قرآن کا یہ دستور آپ سے پوشیدہ نہیں کہ وہ سابق و سابقہ کا ذکر کرتے ہوئے قطعاً حکم جزاء، بسما کسبنا کالآمن اللہ (اللہ) کہتے ہوئے صفا غفرانی ورحمت کو توبہ کے ساتھ مفید کر کے ذکر کرتا ہے۔ سورۃ النور کے پہلے رکوع میں محضت پر بہت فائز کا انتہائی زبردستی اور غرور و غضب کے ساتھ ذکر کرتے ہوئے رحمت و مغفرت کی صفات بھی لے آئے اور ایسے بھی بہت سے مقامات ہیں جہاں صفات تہ و غضب اور رحمت و رافت کو ایک ہی آیت میں بلا ذکر تہ و غضب منائے آیا ہے۔ اراد کے پہلے ہی رکوع میں دیکھئے۔  
 ..... عزائم ربک لذو مغفرتہ للناس علی ظلمہم وان ربک لشدید العقاب۔ سورۃ الحج کے چوتھے رکوع میں دیکھئے  
 نبی عبادی انما الغفور الرحیم وان عذابی هو العذاب الالیم (پہلے) ذیل کی آیات پر بھی غور کرتے چلیے۔  
 ان ربک للوریع العقاب وانہ لغفور رحیم (الانعام آیت ۱۶۵) اسی طرح فان کذبوک فقل ربکم ذورحمتہم واسعتہ ولا یرد بائسہ عن العنوم المجرمیین۔ (الانعام آیت ۱۴۷)  
 اس پر بھی غور فرمائیے کہ یہود پر عامہ کردہ نزلت ذلت و سکت کی آیت میں جو اسباب بیان کیے گئے ہیں وہ چار ہیں۔

۱) کفر بآیات اللہ (۱۳) قبل انبیاء رسا معامی (۱۴) آیتہم اجدد۔ ان میں سے تین یعنی اکثر اسباب سزا میں یہود کی پچھلی نسلیں بھی اگلوں کی شریک کار ہیں، پھر آیت سلف و خلف میں فرق کی جو کوشش فرمائی ہے، اسباب کی نوعی کے بغیر تقریباً بے سمجھی کا یہ ہوا جاتی ہے۔ ذیل کی آیت بھی دیکھئے چلیں  
 وقالت الیہود ید اللہ مغلولۃ غلت الید الیہم ولعنوا بما قالوا ..... انی قولہ تعالیٰ ..... والقینا بینہم العداوۃ والمحنۃ الی یوم القیامۃ۔ (سورۃ مائدہ آیت ۶۴)  
 ذیل کی آیات برکت اور سبب لعنت پر روشنی

ڈال رہی ہیں ان پر بھی نظر فرمائیں۔ فلما جاء ہم ما عرفوا كفروا بھ فلعنۃ اللہ علی الكفربین ۸۹ بقرہ وقالوا قلوبنا غلفت بل لعنہم اللہ بکفرہم فقلیل ما یؤمنون ۹۰ بقرہ ۱۔ بشما اشرنا واسباب لعنہم ان ی کفروا بما انزل اللہ بقیۃ..... الی قولہ تعالیٰ.. قبا و لعنہم علی غضب الایۃ ۹۰ بقرہ ان آیات لعنت و غضب کا سبب کفر کو یا کفر بعد المعز کو قرار دیا ہے جو آج بھی یہود میں علی حال باقی ہے۔ ایک آیت اور دیکھئے جو زیادہ وضاحت کر رہی ہے۔  
 ما یجال الذین اوتوا الکتب آمنوا بما نزلنا مصدا قالما معکم من قبل ان تطمس وجوها فتردوا کادبارہا اولعنہم کما لعنا اصحاب السبت (الایۃ ۷۷ سورۃ نساء) نیز سبب ذکر یہود کا ہے اور کتمان بیانات پر وعید نازل ہے پس اولئک یلعنہم اللہ عذون ان کی منضوبیت و مقہوریت کے دوام پر ہوا اور اسباب مہر ثبت کر رہی ہیں۔  
 اب جناب والا کے مضمون میں یہ نقرہ دوبارہ دیکھئے "قدرۃ وعبودیت اور عزتوں کا تعلق انہیں سے ہے کہ ان کی آئندہ نسلوں سے" کیا میری یہ امید بھی ہوگی کہ جناب والا شفقی بخش جواب سے مجھے مطمئن فرمائیں گے، مسئلہ اجتہاد کا نہیں کہ جس میں اختلاف نظر نظر کی گنجائش ہو بلکہ منصوص ہے۔

**دفعہ ۲** آل عمران کی آیت میں استثناء اور جلیل من الناس پر گفتگو کرنے ہوئے، حبل من اللہ سے عام مفسرین کی طرح آپ نے بھی عہد اور ذمہ مراد لیں جو لسان العرب اور راغب مفسرین کے الفاظ ہیں۔ حبل من اللہ توبہ ہو کہ اپنی اصلاح حال کر کے..... توبہ و رجوع کر کے اڈرے اپنا تعلق استوار کریں اور اللہ کی پناہ میں آجائیں، مگر یہ سمجھ میں نہ آسکا کہ اصلاح حال اور توبہ سے آپ کی کیا مراد ہے؟ دخول اسلام کے بعد توبہ یا پھر یہودیت کے دائرہ ہی میں حضرت محمد اور عبدی کے ساتھ کفر کرنے ہوتے توبہ و رجوع؟ لیکن آپ کے آخری

الفاظ تقریباً شق ثانی یعنی یہودیت کے دائرہ میں رہتے ہوئے توبہ کو مستثنیٰ کر دیتے ہیں۔ غور کیجئے مضمون کچھ ہے۔ رہا حبل من اللہ کا معاملہ وہ بھی اگر اللہ ہی اللہ بقدر ضرورت طے پایا ہوتا اس پر حیرت کیوں کیجئے؟ جبکہ حبل من اللہ کے طے پانے کے لئے ایمان بالاسلام ضروری ہے اور اگر یہ اللہ ہی اللہ طے پا جائے تو پھر وہ یہود سے کہاں؟ یا تو عیسائی تھے یا مسلمان یا اگر حبل من اللہ کی تفسیر عام تفسیر ہی ہے ہنگام کی جاتی تو اس پر غور کیا جاسکتا تھا بلکہ اللہ ہی اللہ ہے کہ سر حبل کا وجود تہ و کافران کی توجیہ کے لئے حبل من اللہ ہی کا کافی تھا یہ حبل من اللہ کی ظہور پر موقوف ہی نہیں عام مفسرین بھی حبل من اللہ سے توجیہ مراد لے کر آئی کہ اب تک مستقل استثنائی شان کا حامل اتنے آئے ہیں اور حبل من اللہ "ایمان عہد یا غسل" پر مشتمل ہے جو خدا کا چندہ فراد کو حبل من اللہ ہی قوم یہود کے لحاظ سے کوئی قابل نہیں ہوا۔  
**دفعہ ۳** قسط ثانی کے اوائل میں منبر سے لا ینوبوا لبقوم الایۃ سے آپ نے جو کچھ استنباط فرمایا ہے وہ بھی دوسری آیات کے پیش نظر محل بحث و تہمیس ہے۔ مضمون میں ذیل کے الفاظ پر دوبارہ نظر فرمائیے "تو اگر آج آپ کا قوم کی بے نیسی کو خوش نصیبی میں تبدیل ہوتے دیکھیں تو ان کا قرآنی قاعدے کے مطابق دل سے یقین رکھیں کہ اس نے اپنے عقائد و اعمال میں اپنے اسباب منضوبی میں ایک خورق توبہ کی پیدا کرنا شروع کر دیا ہے" مگر یہ حصہ دوسری آیات کے پیش نظر صحیح نہیں معلوم ہوتا۔ سورۃ الاعراف کی آیت ۹۲ کے بعد چالیس نمبر کی آیت کے ان الفاظ کو دیکھئے  
 شعبد لنا مکنان السیئۃ المحسنۃ حتی عصفوا..... الی قولہ تعالیٰ..... فاخذناہم بغتۃ وهم لا یعرفون کیا اس آیت میں بد حالی کے بعد خوش حالی کو ہلاکت کا پیش خیمہ نہیں بتایا گیا پھر تو آپ کا حصہ بھی جو چاہے گا۔ ایک دوسری آیت دیکھئے  
 فلما انشوا ما ذکروا بہ فحتمنا علیہم الیواب کل شیء حتی اذ انجوا بہما و اتواخذناہم بغتۃ فاذا ہم مسلمون۔ سورۃ الانعام آیت ۱۱۰ کیا یہود کا وجود تہ و کافرانی احدنا ناہم بغتۃ کی تہمیس نہیں ہو سکتی کہ خبر سے کہ مستثنیٰ اپنے رہے میں کیا حیثیت آ رہا ہے، اگر کم از کم یہ احتمال بدرجہ احتمال بھی ہے۔  
 والا بحسب الایۃ ۷۷ ع

ان آیات کی روشنی میں کیا یہ جو محل نظر نہیں کہ رہا حبل من اللہ کا معاملہ وہ بھی اگر اللہ ہی اللہ بقدر ضرورت طے پایا ہوتا اس پر حیرت کیوں کیجئے؟ جبکہ حبل من اللہ کے طے پانے کے لئے ایمان بالاسلام ضروری ہے اور اگر یہ اللہ ہی اللہ طے پا جائے تو پھر وہ یہود سے کہاں؟ یا تو عیسائی تھے یا مسلمان یا اگر حبل من اللہ کی تفسیر عام تفسیر ہی ہے ہنگام کی جاتی تو اس پر غور کیا جاسکتا تھا بلکہ اللہ ہی اللہ ہے کہ سر حبل کا وجود تہ و کافران کی توجیہ کے لئے حبل من اللہ ہی کا کافی تھا یہ حبل من اللہ کی ظہور پر موقوف ہی نہیں عام مفسرین بھی حبل من اللہ سے توجیہ مراد لے کر آئی کہ اب تک مستقل استثنائی شان کا حامل اتنے آئے ہیں اور حبل من اللہ "ایمان عہد یا غسل" پر مشتمل ہے جو خدا کا چندہ فراد کو حبل من اللہ ہی قوم یہود کے لحاظ سے کوئی قابل نہیں ہوا۔  
**دفعہ ۳** قسط ثانی کے اوائل میں منبر سے لا ینوبوا لبقوم الایۃ سے آپ نے جو کچھ استنباط فرمایا ہے وہ بھی دوسری آیات کے پیش نظر محل بحث و تہمیس ہے۔ مضمون میں ذیل کے الفاظ پر دوبارہ نظر فرمائیے "تو اگر آج آپ کا قوم کی بے نیسی کو خوش نصیبی میں تبدیل ہوتے دیکھیں تو ان کا قرآنی قاعدے کے مطابق دل سے یقین رکھیں کہ اس نے اپنے عقائد و اعمال میں اپنے اسباب منضوبی میں ایک خورق توبہ کی پیدا کرنا شروع کر دیا ہے" مگر یہ حصہ دوسری آیات کے پیش نظر صحیح نہیں معلوم ہوتا۔ سورۃ الاعراف کی آیت ۹۲ کے بعد چالیس نمبر کی آیت کے ان الفاظ کو دیکھئے  
 شعبد لنا مکنان السیئۃ المحسنۃ حتی عصفوا..... الی قولہ تعالیٰ..... فاخذناہم بغتۃ وهم لا یعرفون کیا اس آیت میں بد حالی کے بعد خوش حالی کو ہلاکت کا پیش خیمہ نہیں بتایا گیا پھر تو آپ کا حصہ بھی جو چاہے گا۔ ایک دوسری آیت دیکھئے  
 فلما انشوا ما ذکروا بہ فحتمنا علیہم الیواب کل شیء حتی اذ انجوا بہما و اتواخذناہم بغتۃ فاذا ہم مسلمون۔ سورۃ الانعام آیت ۱۱۰ کیا یہود کا وجود تہ و کافرانی احدنا ناہم بغتۃ کی تہمیس نہیں ہو سکتی کہ خبر سے کہ مستثنیٰ اپنے رہے میں کیا حیثیت آ رہا ہے، اگر کم از کم یہ احتمال بدرجہ احتمال بھی ہے۔  
 والا بحسب الایۃ ۷۷ ع

# عربوں کی شکست اور اس کے بنیادی اسباب

ما مشر عربوں کی شکست نے پورے عالم اسلام کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا ہے، مسلمانوں کا کوئی گروہ اور کوئی کشت خیال ایسا نہیں جس میں مسئلہ موضوع بحث نہ بنا ہوا۔ دنیا کے دو سے ملکوں کے مسلمانوں کی گفتگو اور ان کے انداز بیان سے اگرچہ ہمیں زیادہ واقفیت نہیں لیکن جہاں تک ہندو پاک کا تعلق ہے، یہاں کے لوگ اس موضوع پر دو طبقوں میں بٹے ہوئے نظر آتے ہیں ایک کہتا ہے کہ یہ شکست دراصل ایک اور برطانیہ کی ریشہ دوانیوں ان کی سازشوں اور ان کے جدید جنگ سازوں سامان کی بدولت ہوئی اس لئے اس سے توچہ پر ہم کو جہاں عربوں کی مالی اور اخلاقی مدد کرنی چاہیے وہیں زیادہ سے زیادہ امریکہ اور برطانیہ کی مدد سے بھی کرنی چاہیے۔

دراکتا ہے جی نہیں توجہ و شکست کا اور وہ صرف اسباب و علل کو سمجھنا غلط ہے، غیبا رہ سکتے تو یوں راکٹوں اور میزائلوں کی اہمیت تسلیم کر صرف انہیں کے بل بوتے پر کوئی قوم یا کوئی ملک کامیاب ہو جائے یہ ممکن نہیں تا آنکہ خدا کی مدد اور ان کی نصرت اس کے ساتھ نہ ہو، خصوصاً مسلمانوں کے لئے تو قائلوں یہ ہے ان تضرعوا لربهم و سئبت اقدامکم۔

اس نوحہ لکھنے کا یہاں سے براہ مکرر تہذیب ہے جہاں کے لوگ صرف ہندوستان تک خود عرب بھی جا کر تبلیغ کے فراتر انجام دیتے رہے ہیں اور وہاں سے ذاتی واقفیت بھی رکھتے ہیں چنانچہ اس معلومات یا ذاتی واقفیت کی بنا پر یہاں سے حضرت مولانا علی میاں اور دوسرے لوگوں کے جو مضمون عرب کی شکست اور اس کے اسباب و علل پر شائع ہوئے اس میں فتنہ پراپیٹری بھی آگئی کہ عرب کے بعض حکمرانوں کی ذہنی حالت نہ صرف ناقابل اطمینان ہے بلکہ انہوں نے تو عرب پر کئی

مولانا علی میاں کی اس رائے کا عرب سربراہوں اور حکمرانوں پر کیا اثر پڑا اور انہوں نے اس کو کس نظر سے دیکھا ہے تو ہمیں نہیں معلوم لیکن یہاں خود ہمارے ملک میں کچھ مخصوص لوگوں کی طرف سے اس پر جوئے سے ہو رہی ہے اس کی کچھ جھلک ضرور ہمارے سامنے ہے مسطورہ جیسے جیسے مضامین کے عرب کے سربراہ خصوصاً صدر نامہ تو بڑے دیندار ہیں ان کی دینداری کا یہ لہیا چوڑا سا ٹھیک ہے۔

کوئی کہہ رہا ہے تبلیغ کا یہ کیا موقع عرب تو اس وقت زخمی سے چور ہیں کہ وہ رہے ہیں بلکہ جاں بلب اور عالم نزع میں ہیں اس وقت ان کے کانوں میں خدا کا نام یا قرآن ڈالنے کی کیا ضرورت اس وقت تو ان کو کچھ دوا میں کچھ بھیجیے اور کچھ کلبوں کی ضرورت ہے اس لئے اس وقت تو انہیں چیزوں کا اہتمام کیا جاتا ہے نیز یہی تو پھر آگے دیکھا جائیگا اور خدا کا کام اور قرآن بھی ان کے کانوں میں ڈال دیا جائے گا۔

اس بحث کا گھناؤنا پہلو یہ ہے کہ اس ضمن میں خود مذہب پر بھی کچھ اچھالنے کی ضرورت محسوس کی جا رہی ہے اور اس کو بھی طرح طرح سے طعن و تشنیع کا نشانہ بنا جا رہا ہے۔ میری حیرت کی انتہا تو یہی ہے البتہ میں اس طرح کا ایک مضمون نظر سے گذرا جس میں کسی قدر تفصیل سے اس بات پر برہمی کا اظہار کیا گیا ہے کہ عربوں کی شکست کو ان کی بد اعمالی کا ثمرہ کیوں کہا گیا۔

اس مضمون میں مضمون نگار نے جو خیالی اور شاعرانہ طومار بنا دیا ہے اس سے مجھے کوئی بحث نہیں میں یہاں صرف یہ دکھانا چاہتا ہوں کہ وہ جس بات پر آپ نے باہر ہوئے ہیں اور جو کچھ بنی گھونٹے۔ "فناوت کا نکل" اور نہ معلوم کیا کیا کہتے ہیں کیا وہ تنہا صرف سنا و کھ کے لوگوں کی بات ہے یا خدا اور رسول کی طرف سے بھی اس قسم کی کچھ باتیں منقول ہیں

فرض کیجئے اگر قرآن کریم سے یہ بات معلوم ہو جائے کہ انسان کو جو مصیبت بھی پہنچتی ہے وہ خود اس کی اپنی بد اعمالیوں کا نتیجہ ہوتی ہے تو کیا الہی وحدت میں سبھی وہ خود باللہ شکست کو بد اعمالی کا ثمرہ کہنے والا ہے۔ یہ سستی قیادت "نہن آسانی عیش کوئی" اور "دماغی تفریح کا جملہ چیزیں کی کوشش کریجئے؟" تلاش و جستجو سے اگرچہ اس قسم کی باتیں آتیں لیکن یہاں حوالے کے طور پر صرف چند آیتیں نقل کی جاتی ہیں۔ پہلے تو وہ آیات ملاحظہ ہوں جن میں اچھے اعمال پر خدا کا وعدہ اس دنیا کے لئے بھی کیا گیا ہے جس میں اس وقت خود ہم اور آپ موجود ہیں، چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔

يُثَبِّتُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ وَيُضِلُّ اللَّهُ الظَّالِمِينَ

"ابراہیم"

ایک دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے۔

ان الذین اتوا ربنا بصدق مستقامين  
تتنزل عليهم الملائكة  
الا تخافون ولا تحزنون وابشر  
بالجنة التي كنتم تعدون  
(حکم سجدہ)

اور یہ بھی۔

ولقد كتبنا فی الزبور

# از خواب گراں خیز!

رئیس الشاکری

دست سے ہے گردش میں مقدر کاتارا رکنا نہیں حالات کا چرچتا ہوا پارا  
اخلاص سے بڑھ کر میں اعمال نے مارا شاعر ہوا بیباک تو اس طسرح پکارا  
حالات زمانے کے ہیں کس در جو غم انگیز  
از خواب گراں خواب گراں خواب گراں خیز  
از خواب گراں خیز!

اخلاص و محبت کا سبق یاد نہیں ہے حسرت تو بہت ہیں کوئی مستر یاد نہیں ہے  
انوار صداقت سے دل آباد نہیں ہے یاں دام ہوس سے کوئی آزاد نہیں ہے  
فریاد! کہ اب نشہ باطل ہے بہت تیز  
از خواب گراں خواب گراں خواب گراں خیز  
از خواب گراں خیز!

خوشید درخشاں ہے مگر تیرہ شبی ہے دنیا میں بہر سمت قیامت سی اٹھی ہے  
حسرت سے نظر جانے کے ڈھونڈ رہی ہے کس در جو فروغ شہر لبو لہبی سے  
ان نشہ لب فریاد پر سرشار ہیں پرویز  
از خواب گراں خواب گراں خیز  
دیوانے! ذرا دامن صد چاک تو کمالے! تاریخ کے اوراق سے آئین خود کی لے!  
جینا ہے تو دنیا میں ذرا شان سے جی لے! اک ایک ادھل بلال حبشی لے!  
تو وقت کا روٹی ہے تو ہی وقت کا تبریز  
از خواب گراں خواب گراں خواب گراں خیز!  
از خواب گراں خیز!

سینے میں محبت کی امانت کو چھپالے اخلاص کی اخلاص سے پھر شمش جلالے  
گردیدہ زمانے کی اداؤں کو بنالے اپنے ہوں پرانے ہوں گلے سب کو لنگالے  
اللہ نے دیا ہے تجھے وہ شان دلا دینر  
از خواب گراں خواب گراں خواب گراں خیز!  
از خواب گراں خیز!

سین ترا مہور ہے انوار یقین سے اخلاص ٹیکتا ہے تیری پاک جبیں سے  
تعبیر تجھے کرتے ہیں سب نور میں سے پہنچا ہے ترا نام سر عرش زمیں سے  
کیوں اپنی روایات سے کتاب ہے تو پر ہیز  
از خواب گراں خواب گراں خواب گراں خیز  
از خواب گراں خیز!

کوئین کی دولت تیری ٹھوکرے لگی ہے افلاک کی رفت تیرے قدموں پہ چھلکی ہے  
دنیا کی بیاد ت تجھے اللہ نے دی ہے تو تاج زبان رسول عربی و علی اللہ علیہ السلام ہے  
اے مرد مجاہد! یہ زمانہ ہے شہر انگیز  
از خواب گراں خواب گراں خواب گراں خیز!  
از خواب گراں خیز!

(بقیہ - یسود اور قرآن)

تب بھی آپ کے مضمون میں کچھ غلطی کوئی وجہ جو انہیں، چند مہینے پارے میں  
گھبے۔ واذا اردنا ان نصلک نریبنا امرنا منہ فیہا ففستوا  
فیہا بحق علیہا القول فدا مننا ہانت منہ۔ سورہ بقرہ آیت ۲۵  
بہتر ہوتا کہ آیت الرعد میں تفسیر لعموم کا مصداق مقرر کرنے سے  
قبل دوسری پارے کی یہ آیت بھی نظر کے ساتھ ہوتی جس کا نزول منافقین  
مذہب کے بارے میں ہوا خلا نعلک اموالہم ولا اولادہم انما یرید  
اللہ لیعذبہم بما فی الحیلۃ الذنبا ویزہق انفسہم  
دھم کے افروغ ہ سورۃ التوبہ آیت ۵۵

رہ گئی ہوگی حالیہ غرض لیبی اور شاد کا ہی کی توجیہ تو تمام آیات  
ذکورہ کے پیش نظر وہی مہر میں ہو سکتی ہیں ایک کہ ان کی منضمیت و تہمت  
علیٰ حالہا قائم ہے اور یہ صرف الاجتہاد من الناس کا نظریہ ہے اور  
دوسری یہ کہ یہ آئندہ ان کی عظیم تباہی اور خطرہ کی تہمت ہے۔

اب میں مضمون کی فضا دل پر بھی کچھ عرض کروں گا جو تم کو اس میں آپ  
کے استدلال کی کوئی اہم بنیاد نہیں تھی اس لئے اسے پیچھے رکھا گیا ہے۔ آپ نے  
تسط اول میں جواب کی ابتدا ان الفاظ سے کی ہے "سب سے پہلے تو اپنی  
اور اہل حق کے اس مسلم اصول کی یاد تازہ کر لیتے کہ اللہ کے ہاں خلف و عدہ  
مکن نہیں لیکن خلف و عدہ ممکن ہے۔" مضمون سابق ۱۴ جولائی۔

سوال یہ ہے کہ خلف و عدہ کے امکان سے کیا مراد ہے، اگر عقلی مراد ہے  
تو اولیٰ مدعا کے اثبات میں کافی نہیں اور ثانیاً یہ تحقیق میں مختلف تیرے ہے۔  
کا لفظ اہل حق کا مسلم اصول حوالہ کا محتاج ہے اور اگر امکان شرعی مراد ہے  
تو یہ مدعا کیلئے مفید ہو سکتا ہے مگر اکثر تحقیقین کلام شرعی خلف و عدہ کے  
قابل نہیں اور بعض کا قول محبت نہیں ہو سکتا، قرآن نے سابق و عدہ میں  
صاف صاف کہہ دیا ہے۔ ما یسدل القول لدی وعلانا نظلام  
للعبید سورہ حق آیت ۳۵ آیت ۳۶ میں سابق و عدہ ہے کہ تبدل قوں سے  
خلف و عدہ مراد ہے جس کی نفی کر دی گئی ہے، البتہ بعض روایات اس پر ولات  
کر رہی ہیں مگر اسناد اور دلالت ضمن دونوں حقیقت سے قابل بحث ہیں ادھیک  
روایات پھر بھی قابل تمسک رہ جاتی ہیں مگر آیت قرآنی کے پیش نظر انہیں  
مؤول مانا گیا ہے۔ بہر صورت تجھے صرف اس ایہام کی نفی کرنی ہے جو آپ کے  
کلام سے خلف و عدہ کے مسلم متفق علیہ ہونے کے بارے میں پیدا ہو گیا ہے  
باقی نفس مسئلہ میں میرا حمان کیلئے اس کی تفصیل یہاں غیر ضروری ہے۔  
تفصیل کا یہ موقع نہیں اختصاراً آپ کو آیت ان اللہ لا یخسر ان یطرح  
یہ بعض ما دون ذلک لمن یشاء۔ سورہ فراء آیت ۳۵ کے طرف  
متوجہ کرتا ہوں کہ آیا یہ بھی و عدہ میں داخل ہے تو یہ بھی داخل و عدہ ہوتی جائے  
پھر اس کا نتیجہ کیا ہوگا اس پر غور فرمائیں۔

مجب ہے کہ جناب والا سے حضرت ابراہیم اور اسماعیل  
علیہما السلام سے متعلق حکم و روایات ذبح کو خلف و عدہ کے جو ادھیک  
تا یہ میں نقل فرما دیتے نظر ثانی فرمائیں کیا یہ اس کا محل ہو سکتا ہے  
باب ابو عدہ و التہدید کو باب الاہتار والاہتمام سے (بقیہ صفحہ ۲۲)



# عربوں کیلئے ایک پیلیج

منصور خاں نعمانی ندوی

زہر کا جو درخت بویا گیا تھا اس میں پھسل آگے، اب مزلی ایشیا میں ہر طرف موت و تباہی کا منظر چمکانے کی کوشش ہو رہی ہے، ایشیا برکس پیٹن ظلم جو رو تشدد کے زور سے اسرائیل کا وجود ہوا انیس برس تک حزب کی سامراجی طاقتوں نے اسے اس لئے مضبوط اور مسلح کرنے کی کوشش کی کہ وہ آئے عربوں کیلئے قیامت برپا کر سکے۔ آج ان کا یہ منشا پورا ہو گیا۔ اور آج انھوں نے اس نشان کو پار کر لیا۔

حالہ جنگ نے خلاف توقع اسرائیل کو برتری عطا کر دی، اس سے قبل اسرائیل کا انحصار عربوں کے رقم و کرم پر تھا، ان ملکوں نے اسرائیل کو تسلیم نہ کیا تھا لیکن عربوں کی باہمی ناچاقی اور عدم اتحاد اور منشی پیمانہ نگاہ نے انہیں ناکامی و نامرادی سے بھگانا کر لیا۔

انیس سال قبل فلسطین کی تقسیم کے وقت وہ ناکام ہوئے بعد ازاں اسرائیل کی نوموود حکومت کو چھ فلسطین میں زخم کر کے، نہر سوز کے بحران کے وقت وہ اسرائیل کو کوئی ترک نہ پہنچا سکے چنانچہ مسلسل ناکامیوں سے اس کے عزائم بلند ہو گئے اور دھیرے دھیرے وہ اپنی طاقت میں اضافہ کرتا رہا یہاں تک کہ پانچ روزہ جنگ میں عربوں کو اس چھوٹی حکومت سے شکست و ہزیمت کا سامنا کرنا پڑا جس کا تصور ہی نہیں کیا جاسکتا۔

بیت المقدس پر اس کا قبضہ ہے اور جنگ میں جن علاقوں پر قبضہ کیا گیا وہ سب قائم و دائم ہے۔ وہ ہزار سال کی مسلسل دولتوں اور پساپتوں کے بعد تاریخ میں پہلی مرتبہ یہودیوں کا مابانی نصیب ہوئی چنانچہ اب وہ اس کوشش میں ہیں کہ فلسطین اور اس کے گرد و پیش کو وطن الیہود بنا ڈالیں۔

عربوں کی رسوا کن اور ذلت خیز شکست کی خبر سن کر عربوں کو ہلاکت کا عالم ہے۔ وہ اپنے تبادلت کو چمکانے کی خاطر اسرائیلی دشمنوں کو قتل و

کالنجات و ہندہ قرار دیا جا رہا ہے اور تعجب تو یہ ہے کہ اس کی تریف میں رطب اللسان اور باب فکریہ نظر بھی ہیں، کم از کم اس جنگ سے تو اندازہ کر سکیں تشریح و تمنا ہونا چاہیے تھا۔ (منصوبہ و دایا اولیہ الاصل)

جنگ میں دعوے کام نہیں آتے بلکہ حرات و بہادری کام آتی ہے اور کرمیابی ہمیشہ حق و انصاف کی ہوتی رہتی ہے اور دنیا میں ہر کام مادی طاقت کے بل بوتے پر نہیں ہوا کرتے اس کے لئے تائید ازیدی بھی ناگزیر ہے، چنانچہ وہ اپنی ناہمواریوں، عدوی اور مادی کمزوریوں اور بے بقاعدگیوں کے باوجود طاقتور قوموں کے غرور کو پارہ پارہ کر کے رکھ دیتے ہیں کاش کی عرب اپنی غلطیوں کا اعتراف کریں اور ان کے تائیدین بارگاہ ازیدی میں جگہ برہوں اور اپنی کوتاہیوں پر نادم و شرمسار ہوں۔

عرب لیڈروں کو اب بھی ہوش و خرد کے نشان دینا چاہیے اب بھی منہ بند ہوجائیں۔ اب بھی اس سامراجی سازش کے خلاف کمر بستہ ہوجائیں ورنہ مغربی استعمار کے عوام بڑے خطرناک ہیں۔ بہر کیف جنگ کے نتائج و عواقب کی پرواہ کئے بغیر عرب ممالک کو چاہیے کہ وہ خطیم کانفرنس میں یہ مسلمان کر دیں کی انہیں قبل جس فتنہ و فساد کا درخت بویا گیا تھا اس کو بڑے سے اکھیر ثابت اور وہ اپنا سب کچھ داؤں پر لگا دیں تب ہی سہ فری ممکن ہے، امریکا وغیرہ سے یہ موجود عوب اور خوفزدہ ہونے کا نہیں جبکہ امریکا کو ویتنامی ناکوں پنے چھو اسکے ہیں اور اس کے غرور دارانہ کو خاک میں ملا سکے ہیں تو کیا تمام عرب ممالک ملکر اسرائیل کے زہریلے درخت کو کاٹ نہیں سکتے اگر اب بھی عرب یہ فیصلہ نہ کر سکے اور اسرائیل کو ختم کرنے کا مصمم ارادہ نہ کر سکے اسکو بلیا میٹ ڈکر کے تو عربوں کا وجود ختم کر رہ جائے گا اور عربوں کو تیار رہنا چاہیے، جب صیہونی سلطنت کا خواب شرمندہ تعبیر ہو گا۔ یہ عربوں ہی کے لئے نہیں بلکہ تمام عالم انسانیت کے لئے زبردست المیہ کا باعث ہو گا۔

عرب ممالک ملکر اسرائیل کے زہریلے درخت کو کاٹ نہیں سکتے اگر اب بھی عرب یہ فیصلہ نہ کر سکے اور اسرائیل کو ختم کرنے کا مصمم ارادہ نہ کر سکے اسکو بلیا میٹ ڈکر کے تو عربوں کا وجود ختم کر رہ جائے گا اور عربوں کو تیار رہنا چاہیے، جب صیہونی سلطنت کا خواب شرمندہ تعبیر ہو گا۔ یہ عربوں ہی کے لئے نہیں بلکہ تمام عالم انسانیت کے لئے زبردست المیہ کا باعث ہو گا۔

اخلاقی و حانی اسلامی اقدار کو پامال کیا گیا اور جہاں جنگ کے عواقب نے بظاہر دکھ دیا ہو کہ یہ فتنہ خداوندی ہے اور یہ بتایا گیا ہو کہ فرعون کے بیٹے کا انجام یہ ہے، وہاں آج بھی عبدالنار کو عربوں

تعمیر حیات  
میلے  
اشتہار دیکھ اپنی تجارت کو فروغ دیجئے

جون کے پہلے ہفتہ سے کچھ ہوش نہیں آپ کو ہشی ضرور آئے گی لیکن یہ حقیقت ہے کہ سقوط پر ظلم کے دن میں بچوں کی طرح رویا۔ درحقیقت دنیا میں سب سے بڑی مزا احساس ہے، بے حس انسان کا سب سے خوش نصیب ہے کیونکہ کوئی الم اس کے پاس نہیں بھٹتا۔ عرب اسرائیل جنگ کے دنوں میں یہاں ایسا غموس ہوتا تھا جیسے یہ امریکہ نہیں اسرائیل ہے۔۔۔ ریڈیو ۲۰۷ اخبارات و رسائل سب اسرائیل خوں تھے، ہم صبا اپنے آپ کو یہاں محصور محسوس کرنے لگے ۲۰۷ کمرے میں جانا چھوڑ دیا۔ لوگوں کے سایہ سے چھپنے لگے کیونکہ تنقیر کی نظر میں ہمارے احساس کی گہرائیوں تک سورج کو توجی تھیں، مسلمانوں کی خون ریزی پر یہاں چراغاں ہوا ایسی مسرت ہوئی کہ دوسری عالمگیر جنگ کے بعد بھی شاید ہی ایسی مسرت ہوئی ہو۔

ریڈیو سے اس قدر تو ہیں آمیز مضمک خیر اور شرمناک علقتا ہوتے رہے کہ ہمارے روٹے گٹھے کھڑے رہے، ستوہ ہر ظلم کے دن امریکی ریڈیو سننے کے لائق تھا۔ اس حادثہ میں ایک تو قدیم عیسائی حسرت پوری ہوئی، دوم جدید اسرائیلی خواب کی تعبیر ہوئی لہذا مسرت۔ اتنا مسرت کے سیلاب میں سارا ملک مہر گیا۔ مکانات اور دروازوں پر کالے اسرائیلی ذریعہ دفاع اور کٹاروں کی آنکھوں کی پٹی کپے لگی اور لوگوں نے جوق در جوق تبرکات استرا تا خریدنا شروع کیا کیونکہ اس واحد چشم نے وہ آنکھیں کھنڈی کیں۔ عیسائی اور یہودی ریڈیو پر سقوط کا دن بڑے تو ہیں بڑا الفاظ استعمال کئے گئے عربوں کی جو مٹی ملید ہوئی سو ہوئی۔

عالم اسلام کے مسلمان شرماتے گئے، انہری ذمیت ملاحظہ ہو۔

بابا — کہاں ہے ابراہیم کا خدا۔  
کہاں ہے آج ابراہیم کا خدا — بابا — ابراہیم کا خدا آج کہاں ہے؟ وہ عربوں کا مدد کیوں نہیں کرتا۔ وہ اسرائیلیوں کا مدد کیوں کر رہا ہے؟ اس لئے کہ اسرائیل اپنے گناہوں سے تائب ہو کر موسوی دین کو زندہ اور دایات کا جاہ کر رہا ہے۔

ہر لفظ تیر کی طرح نازک احساس میں چھوڑا آج تک نہیں نکل سکا ہے اور شاید کسی نکل سکے گا۔  
زہر کے بجھے ہوتے ان الفاظ نے رگوں کو خون کو پانی کر دیا، آنکھوں تلے اندھیرا چھا گیا، میں ظلم سے بڑھ گیا، پھر ہوش نہیں کیا ہوا۔ ہوش آیا تو دیکھا تو نہ بڑھو ظلم تحریر ہو چکا تھا۔ سو چاہ آپ کو بھیدوں۔ لیکن

# مکتوب امریکہ

سید حبیب الحق ندوی

مزید دیوانگی سوچی — یوں کہتے اسلام کے رد نے تیار۔ درہر بڑھا گیا جون جون دبانے کی کوشش کی، آج وہاں ہو گئے یہی سو سو بار ہے، اپنا ساز و ساز کا کام بڑھا لکھنا طاق پر رکھ کر خدمت اسلام کے خیال سے اس مسئلہ پر لکھنے لگا اور سوچا محنت کی جائے تو کوئی مستقل میاری پزیر لکھی جائے تاکہ خدمت اسلام کے صلہ میں ماہر رہی ہو سکوں۔ مطالعہ پھیل گیا، امر اعترافی برستی گئی، تشنگی ہنوز باقی ہے مگر مطالعہ مزید کرونا پڑا۔ مقالہ اب مجدد تقریباً تیار ہو گیا ہے۔ اسے مضمون و مقالہ کہنا تو فضول ہے۔

اب تو وہ ایک کتابچہ بن گیا ہے، مطالعہ ختم ہو چکا ہے تحریک کا سلسلہ جاری ہے، ہفتہ عشرہ میں نقاب تیار ہو جائے۔ تیار ہوتے ہی آپ کے پاس ارسال کر دوں گا۔ آپ اسے شائع کریں وہ صفحات اس کے لئے وقت کر دیں اور قسط ط میں ہوا سے شائع کریں، اس لئے نہیں کہ خادم حقیقت کے لکھنا ہے بلکہ اس لئے کہ کبھی کبھی تاریخ کی چلتی نہیں پرانگلیاں رکھنے سے د صرف دنیا کے جسم کی حرارت عزیز میاں ہو کر اٹھتی ہے بلکہ نابینا جس کے شعور کی آنکھوں پر غفلت کا موتی بند پڑھا ہوتا ہے وہ موتی بند بھی اس حرارت سے بچھل جاتا ہے۔ ایسے موتی بند جو شعور کی آنکھوں پر چڑھے ہوتے ہیں، طبیب کے نوکدار آلات سے نہیں نکلے، انہیں نکلانے کے لئے کبھی قلم کے نوکدار سب کی ضرورت پڑتی ہے یہی نکتہ فکری انقلاب کا باعث ہوتا ہے اور ساتھ ہی روحانی روشنی واپس لاتا ہے۔

جن افراد و اقوام کی آنکھوں پر ایسا گہرا موتی بند ہے کہ انہیں قلم سے بھی نہیں نکل سکتا تو پھر وہ افراد و اقوام ساری کھو بیٹھی ہیں یہ تو میں بول کر تارکے شاری میں گر جاتی ہیں اور پھر ایسی خاموش ہوتی ہیں کہ کسی گوشہ سے ان آوازیں نہیں آتی، صدائے جس کا رداں تو کہا کد سے ہونے کا رداں کے آخری نشانات تک مٹ جاتے ہیں۔

یہ مقالہ یا کتابچہ مختلف مناظر پر مشتمل ہے، بیلا منظر نوہر پر قلم پر جو دوسرے مناظر میں تاریخی حوادث کا

شور ہے کیونکہ تاریخی ۱۹۱۵ء میں علیہ عرب اسرائیلی جنگ شامل ہے اور ایسی بے شمار مثالیں ہیں دیواناتی تھے ہیں، الف لیلی کی داستانیں ہیں، علم ہوشیار یا کی صحرا فریضیاں نہیں یا سارن کی وہ گھنٹیاں ہیں جو وقت و زمانہ کے سبب ڈال پر گھڑی کی طرح ہر گھنٹہ بلکہ ہر مناب و قنڈ پر ALARAMHUI ہی بجاکر آگے بڑھ جاتی ہیں اور لام بکر جاگ اٹھتا ہے۔ زندگی کے کچھ خرید دن بڑھاتا ہے اور جو سوچا ہوتا ہے وہ سارن کی اس فطرت زنجیر میں ایک خرید گرہ کا اضافہ کرتا ہے۔ آج اموی و عباسی ترکی و سلجوقی نقل و مملوک سب اسی سارن کی۔۔۔ طویل زنجیر بازلت گرہ گیر کی پر تیرتے لڑی ڈگرہ بکرالعمود INDINITY آفاق میں لنگ رہے ہیں۔۔۔ جو شخص تاریخ سے علا دیتا ہے وہ تانناک مانہی کا اجادہ بھی نہیں کر سکتا۔ (HEWHO FORGETSHE) REST IS DOOMED TO CHEAT.

اس تحریر میں کھیں سلم اسکا ریا مورخ کے حوالے نہیں دیتے گئے، مسلم مصادر و عمود استعمال نہیں کئے گئے، اس سے مصادر سارے مصادر و ماخذ عیسائی اور یہودی ہیں کیونکہ ہم مذہب و ہم فکر مورخ و اسکا ریا کی زبان سے مذہب اسلام کی بزرگی و برتری سننا کمال نہیں، کمال فضیلت و برتری کی دلیل تو یہ ہے کہ برتری سے بدترین دشمن کجا اس مذہب کی عظمت اس کے پر و کے کردار کی فضیلت و برتری کا فخر لگائے اس کے مہر خراز میں نہیں بلکہ میدان جنگ میں بھی اس حد تک دشمنوں کے ساتھ اعلیٰ سلوک اور بلند مرتبہ کردار کا اعتراف کرنے پر خود دشمن مجبور ہو جائے افضل مشدات بہ الاعدا۔

تحریر کا یا یہ مقالہ کا حیران مضمون کا وزن ثبات اور کردار، اسناد و ماخذ بڑھانے کے لئے فرما بھی مسلمانوں نے ایجاد کیا لیکن ہر قسم سے بڑے سے برا عالم اس سے پہلو تھی کرتا ہے۔ مقالات میں حوالے دیئے غیر ساری باتیں کرتا ہے جو مقالہ کے وزن کو کمزور اور ہلکا کر دیتا ہے۔ اس کے مغربی اسکا ریا مشرقی تحریر کو خاطر میں نہیں لاتے اور اپنی تحریرات کو۔

(Objective) تحلیل و سائنٹفک ثابت کرتے ہیں ضرورت ہے کہ ہمارے رسائل و مجلات کجا ایسے مقالات کی اشاعت میں طریقت و اسناد کی اشاعت کا خاصہ اہتمام کریں۔

تاریخی مقالات میں سے باقی مشہور

# ابو مسلم خراسانی

## شاندار اعزاز

## دردناک انجام

تاریخ کے ادراک اس قسم کے محدود نظر و شواہد سے سب پرے ہیں کہ جب بھی کسی ملک میں حقیقی جمہوریت دیکھو تو اس کی جگہ شخصی ملکیت کا دور دورہ ہوا، مگر ان وقت نے اپنی سلطنت و جبروت کی پھلیاں سب سے پہلے انہیں کے نرمنوں پر گرائیں جن کی قوت بازو اور ہم دندبر سے ان جباروں کو تسلط و اقتدار کا حصول ہوتا ہے آتے ہی مرور وقت کے ساتھ تاریخ ان نظاروں کو گاہ بگاہ دھراتی رہتی ہے، بڑے بڑے جنرل جبار تیار اور شجاعت ہنسیاں اس وقت کی نذر ہو گئیں۔ لیکن اسی کے ساتھ ان "حسین" کے نام کو بھی کیرے داغ نہیں قرار دیا جاسکتا، جو اپنے دست و بازو کی قوت سے ان خداوندان اقتدار کو مستحکم کرتے ہیں کیونکہ جب وہ دیکھتے ہیں کہ ہماری شجاعت، عالی جنہی اور بے پناہ قوت و طاقت کے طفیل اس "شخص" کی مراد پوری ہوئی ہے اور اقتطاع ارض سرنگوں ہونے پر مجبور ہو رہے ہیں، تو ان کے لاشعور کا وہ جذبہ بیدار ہو جاتا ہے، جو انہیں "ہم چوں ما دیگر نیست" کی حسرتوں تک پہنچا دیتا ہے اور پھر — وہ اپنی چہرہ دہلیزوں میں اتنے متجاہز محال ہو جاتے ہیں کہ ان کا سارا روشن ماضی دھندلوں میں گم اور گذشتہ تمام کارناموں پر اظہار ہوتا ہے۔

جو عباس کے پرشکوہ جد خلافت میں بھی ایک ایسا ہی عبرت انگیز اور بصیرت آموز داستان کبھی ہوا کرتا ہے جو فی الواقع اپنے اندر "اصل ہوش و خرد" کے لئے حکمت و بصیرت کے خزانے بنائے رکھتی ہے۔

ابو مسلم خراسانی کی شجاعت و بہادری، جانشاری و جاں سپاری اور عالی جنہی و بلند ہوشی کسی شرح و بیان کی محتاج نہیں ہے، یہی وہ مرد میدان ہے جس نے اپنی دور اندیشی تدریجاً اور فراست سے حکومت بنو امیہ کو تخریب و برباد کرنے میں مددگار بن گیا۔ وہ بنو عباس کی حکومت کی ختم دہری کر کے اپنے خون جگر سے اس کی آبیاری کی اور — اسے اتنا عظیم و مستحکم کر دیا کہ آج تاریخ خلافت عباسیہ کے نمایاں اور روشن نقوش سب اسی کے مہوں منت ہیں۔ اس میں حقیقت میں قطعی مجال انکار نہیں کہ آل عباس کی حکومت کا یہ عروج و اقبال اور حسن قبول سب ابو مسلم خراسانی ہی کے مساعی کا شرمندہ احسان ہے، اس نے قریب پر قریب اور ملک بے ملک بنو عباس کی دعوت کی تبلیغ کی اور عجیبی مالک کی پر خوار راہوں کو صاف و ہموار کر کے اپنا ہنوا بنایا اور ایک بیک بنو عباس نے اپنے حریف مقابل بنو امیہ پر ایسے برق آسا طریقے سے تسلط حاصل کر لیا کہ دنیا بھر کے مسند میں غوط زن رہ گئی یہ دوسری بات ہے کہ وہ خدا سے تعالیٰ کی اس نعمت عظمیٰ کی کما حقہ قدر رکھے اور اقتدار کے نشہ میں سرمست ہو کر ایسی بے اعتدالیوں کے مرتکب ہوئے کہ الہی قانون کے تحت ان سے بھی یہ نعمت سلب کر لی گئی۔

"ہم چوں ما دیگر نیست" کے اعلیٰ جذبہ نے ابو مسلم کو بھی اپنے گرداب میں لے لیا مزد و عناد خود راہی اور جاہ پسندی اس کے اندرونی نفس میں سرایت کر گئی، چنانچہ اس نے خلیفہ وقت کا بیہم عدول حکمایاں میں جس کی بنا پر

اس کی سابقہ خدمات جلیلہ پر پانی پھر گیا۔ یہ بات نہیں کہ خلیفہ وقت ابو جعفر منصور اس کے ان بہادرانہ کارناموں سے ناواقف تھا جو اس نے عباسی تحریک کے فروغ دینے میں کی تھیں بلکہ منصور تو خلفاء عباسیہ کا گویا جدِ اعلیٰ ہی تھا حکومت کے قیام اور اس کے عروج و اقبال کے تدریجی مراحل سے بخوبی واقف تھا۔

لیکن بااثر ہر جب منصور نے ابو مسلم کو اپنی حدود سے اتنا متجاہز ہونے دیکھا تو طبی طور پر اسے اپنی بقاء و استحکام کے لئے ایک عظیم خطرہ تصور کرنے لگا، اور اس کے غار وجود کو ختم کر دینے کا عزم صمیم کر لیا، مزید برآں منصور کے جذبات کو براہِ گنجینہ کرنے اور اس کی توجیہ پر آمادہ کرنے میں بعض ابن الوقت مقربین کا بھی کافی حصہ تھا چنانچہ ابن قتیبہ نے لکھا ہے اس وقت بنو مسلم نے منصور سے کہا کہ آپ کو حقیقی معنی میں رفعت اس وقت تک نصیب نہیں ہو سکتی جب تک ابو مسلم کا وجود باقی ہے، گو فی الوقت منصور نے اس کی اس بات کو شدت کے ساتھ رد کر دیا تھا لیکن جب بار بار اسی طرح کی باتیں کہی گئیں تو خفا ہے ان کا اثر انداز ہونا لازمی امر تھا، چنانچہ خلیفہ کے دل ابو مسلم کی جانب سے غبار آلود ہونا گیا۔

ابو مسلم چونکہ خود کو عباسی حکومت کا بانی خیال کرتا تھا اس لئے اس کی خود سری اور آزاد روی میں برابر افاضہ ہی ہوتا گیا۔ اور لوہے با نیچا رسید کہ وہ منصور کی اطاعت سے مبرا تھا منحرف ہو کر علویوں کا حمایتی بن گیا اور اس نے ان کی حکومت کے قیام کا بھی قصد کر لیا۔ اتنے مقبول عام اور جری سپ سالار کا فائزہ علانیہ طور پر منصور کے لئے نہ صرف مشکل بلکہ محال تھا، اس لئے منصور نے جو باسا سیاست کا ماہر شاطر تھا ابو مسلم کی دربار میں حاضر کی کا پروانہ بھیجا، لیکن ابو مسلم بھی ایک آزمودہ کار جنرل تھا وہ خلیفہ کے دل ارادہ کو بھانپ گیا اور عذرت کر دی۔

بالآخر بطلانِ اہلِ منصور اسے اپنے یہاں لانے میں کامیاب ہو گیا، ابو مسلم اور منصور کی جب خلوت میں ملاقات ہوئی تو سب سے پہلے منصور نے اس سے حیل جوئی کر کے تلوار اٹھوائی اور جب وہ ہتھتا ہو گیا تو اس کے ایک ایک

# فکر و فن

احقر مشتاق رحیم آبادی ندوی

جانے بھی دیکھئے وہ مری بظنی کی بات

وہ تو حضور میری حماقت کی بات تھی  
اچھا ہوا جو آپ نے ہم کو منالیا!

ترکِ تعلقات میں ذلت کی بات تھی  
تفصیل مختصر ہے یہی تیرے قرب کی

قربت بھی ایک خوابِ مست کی بات تھی۔  
نادان تھا جو شرحِ غم و درد کر گیا!

ورنہ یہ کون حرف و حکایت کی بات تھی  
کونئی پردہ نہ رہ جائے گا جب حاصلِ محبت میں

محبت کی نظر پھر خود حجابِ درمیاں ہوگی  
اصل کو بھی نہ جانے لوگ کیوں بے مہر کہتے ہیں

یہی بے مہر اک دن دیکھ لینا مہرباں ہوگی  
دمِ رخصت انہیں نہ نظر تک دیکھتے جاؤ

میسر بھی بہارِ حلوۃ جاناں کہاں ہوگی  
ادا ہوگا اسی دن سجدۃ الف کافری انگر

جبینِ عشق جس دن مٹ کے خاکِ آستان ہوگی  
آسودگیِ ذوق، شرافت ہے ایک خواب

"مہنگہ ذوالحجہ" رحیم آباد، منیخ کھنڈو

# عکسِ نزل

سید شرافت علی سداوی

سوزِ درونِ دل سے محبت ہے گہر بار

غیر فشاں ہے زلف تو آنکھیں ہیں شگبار

سپرِ نغمہ حیات کے تاروں کو چھیر کر

تم نے کیا ہے میری محبت کو آشکار

یہ خوش نصیبی دلِ شاعر نہیں ہے کیا!

آتے ہیں وہ تصورِ دل میں ہزار بار

اک نگہِ لطف و کیف سے تم نے نوازر

سچ ہے کہ جانگزی میں نہیں دیا قرار

میں تو وفا شکار و فاکیشس ہوں مگر

آئینہ وفا کو کیا کس نے داغدار

یہ صبح و شام ایک تماشا ہے دوستو!

ہر وقت اس کی یاد میں کرتے ہیں انتظار

دارِ فکری شوقِ سراواں میں آجکل

ہم کر رہے ہیں دامنِ ہستی کو تدار

آسودگیِ ذوق، شرافت ہے ایک خواب

جو ششِ خرد سے جذبِ محبت ہے ہمکنار



بقیہ ۲۳ کا مضمون

کما تعلق اور ایک کا دوسرے پر قیاس کس قدر صحیح ہو سکتا ہے؟ اسی طرح حضرت ابراہیمؑ کا اقا تہذیباً بالحکام والنسخ سے متعلق ہے اسے زجر و توبیخ اور وعید و تشدید میں خلف کے عنوان سے کیا مشابہت ہے؟ اگر آپ کا مقصد زید کا لاسد جیسا حقیقت سے بعید تشبیہی تعلق ہے تو اس پر جو ازخلف جیسے حقائق کی بنیاد قائم نہیں کی جا سکتی جیسا کہ آپ پر توبیخ و اذیحت ہے۔ وہ کیا قوم یونس علیہ السلام سے اسد لال تو یہ مختلف وجوہ سے محل نظر ہے اول تو قرآن یا روایات صحیحہ سے یہ ثابت کرنا ضروری ہوگا کہ پہلے ایک دعید اس قوم کو بصورت دینی علانیہ سزا دی گئی تھی اور پھر اس میں خلف ہوا، اسراہیلیات اس باب میں نامعتبر ہیں گناہاً آیت سے اسد لال اس پر موقوف ہے کہ قرآن و حدیث میں جہاں آپس میں ایک فرد یا قوم کے ساتھ کسی حکم یا وعدہ و وعید کی تخصیص ہو چکی ہے ہیں اس کی تنبیہ کا حق پہنچتا ہے۔

خاصۃ لک صحت دون المومنین ، نافلة لک ، یا اعدائک ، یا اعدائک میں جیسے حضرت خزیمہ کی شہادت کو دو کے برابر رکھا گیا ہے اور مغلط صوم کو اس کا کفارہ خود ہی کھانے کی اجازت دیکر تخصیص کر دی گئی ہے۔ جناب والا سے امید کرتا ہوں کہ ان حروف و ضامات پر غور فرمائیں گے اور مسئلہ کی اہمیت کے پیش نظر میری تشرف فرمائیں گے۔

وما یفعل اللہ بعد ان یسکون  
شکرتم وامنتم (سما)

اس سلسلے میں پچھلی قوموں کی مثال بھی قرآن کریم میں بہت کی جگہوں پر مذکور ہے، چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:

المترکین فعل ربک بعد ان یسکون الخ (عز) اور الم یاتکون سبوا الذین کفروا من قبل فذاقوا وبال امرهم ولہم عذاب الیم (التغابن) وکما اهلکنا من قریۃ بطروت معیشتها (القصص) اور کذبت شمود و عباد (الحاقہ) اور کذب الذین قوم نوح و عباد (ص) اور کذاب ال فرعون اور ما یصل اللہ الا الفسقین ہم یہ تو نہیں کہہ سکتے کہ دیدہ دانستہ اور جان بوجھ کر ان آیات سے تعلق برتا گیا ہے اور قصہ اشکت کو بواغالی کا نثرہ کہنے والوں پر برہمی کا اظہار کیا گیا ہے لیکن اتنا ضرور کہیں گے کہ اس رشتے کی نزاکت اور اس کے تقاضوں پر غور کرنا ہم نے ضرور چھوڑ دیا جس نے بڑوں اور ساری دنیا کے مسلمانوں سے ہمارا رشتہ اخوت استوار کیا تھا اور جس کی وجہ سے مسلمان اقوام عالم میں ایک خاص امتیاز رکھتے تھے۔

کس قدر افسوس کی بات ہے کہ ہماری حقیقت کا یہ عالم ہو گیا کہ جب کوئی اس کی طرف اشارہ بھی کرتا ہے تو ہمیں ناگوار ہوتا ہے اور ہم اس پر ناک سبوں پڑھاتے اور طعنہ زنی کرنے پر اتر آتے ہیں، ہو سکتا ہے ہم اپنے اس طرز عمل کی کوئی خوب صورت تاویل کر لیں لیکن یقین کیجئے ایک نہ ایک دن ہمیں اس پر پچھتاہنا پڑے گا اور اس رشتے کو استوار بھی کرنا پڑے گا۔ جس کے ایک ایک نقوش کو آج ہم کھرچ کھرچ کر مٹا رہے ہیں۔

آنا نکر خائے حق بجاں میجویند  
در راہ مفاہات اولبری پویند  
بریک ہر کس کند حق منہ پاید  
حق نیز ہا کند کہ ایقان گویند

عالم اسلام کا ایک ہولناک زلزلہ

اسرائیل کی فتح اور عرب ممالک کی شکست سے جہاں دنیا کے کافروں کے حوصلے بڑھ گئے ہیں وہاں کافر حکومتیں از سر نو اسلامی ممالک پر غلبہ پانے کی تیاریاں کر رہی ہیں

المنبر

کا

عرب اسرائیل جنگ منبر

ملاحظہ کیجئے جو ۹ ستمبر کو شائع ہو چکا ہے

ہفت روزہ المنبر کراچی پوسٹ (منزل پاکستان)

سولہ ایجنسیاں

پھول کی طرح تروتازہ

الرجلی امراض یا فساد خون کی شکایت ہو تو پھر پڑھو نظر آتا ہے

خون صفا

پھولے پھنسی خارش اور داد سے نجات دے کریم اور پھرے کو پھول کی طرح تروتازہ رکھتا ہے



دواخانہ طبیکالجیہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

(۱) اودھ جینرل اسٹورس  
ایچا آباد لکھنؤ  
(۲) ایم، ایس، ظہیر ایڈ سنس سلطان منزل  
چیم گنج کان پور